راحت جبیں

ساون رت کی پہلی بارش

بڑا سا مگر بہت پرانا اور قدرے بوسیدہ سا لکڑی کا گیٹ عبور کر کے گاڑی سفید شریفے اور سرو کے پیڑوں کے درمیان سے گزرتی چلی گئی۔ مریم منہ کھولے ان درختوں کے پار پھیلے باغ کو دیکھ رہی تھی۔

ثمینہ باجی ڈرائیونگ کرتے ہوئے کون سی کررہی ہیں وہ کچھ بھی نہیں سن رہی تھی۔ ظاہری حالت اگرچہ اچھی نہیں تھی مگر باغ تھا۔

"تم سن رہی ہوناں' میں کیا کہہ رہی ہوں۔" ثمینہ نے اسے ہونقوں کی طرح ارد گرد کا جائزہ لیتے دیکھ پوچھا۔

"ج ---- جی۔" مریم نے جھٹ اثبات میں سر ا۔

"شاباش! اس طرح رہو گی تو تمہیں کوئی مشکل ہو گی۔" ثمینہ باجی مطمئن ہو گئیں۔

"کس طرح؟" مریم کے پلے تو ایک لفظ نہیں پڑا کچھ سنتی تو ہی پڑتا۔ وہ تو گویا کانوں میں روئی لے بس دیکھنے میں مصروف تھی جیسے وہ یہاں اسی کام کے لیے آئی تھی۔

"ابھی کیا کہہ رہی تھی میں تم سے۔؟" ثمینہ باجی نے حیرت اور قدرے ناگواری سے اس بے وقوف لڑکی کو دیکھا۔

"جی وہ وہ تو میں نے سن لیا ہے۔" مریم نے حواس میں آتے ہوئے کہا۔

"صرف سنا ہے یا سمجھ بھی لیا ہے۔" ثمینہ باجی کو اس سے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ اگرچہ اپنی سہولت کے لیے لے تو آئی تھیں۔ کچھ اس سے ہمدردی بھی ہو گئی تھی۔ انہوں نے سوچا یوں' در در پھرنے سے بہتر ہے ایک ہی جگہ ٹک جائے گی اور ان کا ہاتھ بھی بٹا دیا کرے گی۔ نزدیک کی نہ سہی دور کی رشتے دار تو تھی۔

اور پھر لڑکی ذات۔ حالانکہ اماں نے سمجھایا بھی تھا۔

"بے وقوف سی لڑکی ہے اور زبان جیسے قینچی کی طرح چلتی ہے تمہارا تو بھرا پرا سسرال ہے۔ کوئی غلطی کر گئی تو سیدھا تمہارے سر پڑے گی۔"

مگر انہیں نیا نیا ہمدردی کا بخار چڑھا تھا سو لے آئیں مگر اب سارا رستہ اسے سمجھاتی آئی تھیں۔ سڑک کے اختتام پر جو عمارت سامنے آئی تھی، وہ کسی زمانے میں سفید رہی ہوگی اب تو جیسے دھوپ میں پڑے پڑے پیلی پڑ گئی تھی۔ جیسے کوئی خوبصورت سی لڑکی میک اپ کر کے دھوپ میں نکل جائے تو سارا میک اپ پسینہ بہا لے جائے اور خوبصورت چہرے پر دھبے سے بن جائیں۔ مریم اپنی تشبیہ پر خود ہی مسکرا دی "اگر اس گھر کو رنگ و روغن کر دیا جائے تو کتنا خوبصورت لگنے لگے۔" مریم نے سوچا۔

"اب نکلو گی بھی۔" مریم چونک گئی۔ گاڑی رک چکی تھی اور ثمینہ باجی باہر کھڑی تھیں۔ جبکہ وہ ابھی تک معائنے میں مصروف تھی۔ وہ ہڑبڑا کر باہر نکل آئی۔

دو سیڑھیاں چڑھ کر کاریڈور تھا۔ سیڑھیوں کے ساتھ نچلی طرف گملوں کی طویل قطار تھی۔ جن میں کچھ پودے بالکل مرجھا چکے تھے۔ جو ہرے تھے، وہ بھی گرمی میں کملائے کملائے سے تھے۔ کاریڈور میں ستون کے ساتھ بڑا سا سفید گملا تھا جس میں پام کا ہرا بھرا پودا تھا لیکن گملا ٹوٹا ہوا تھا کیونکہ اس کی کمر پر رسی باندھی گئی تھی، گملے کے پاس ہی پیپسی کی خالی بوتل لڑھکی تھی۔ ستون کے ساتھ لپٹی بیل کے پھول ٹوٹ ٹوٹ کر کاریڈور کے اندر اور باہر بکھرے تھے مگر مارے گرمی کے چرمرا گئے تھے۔ اس کے سر کے اوپر جھکا شیڈ بھی ان ہی سرخ مگر سوکھے پھولوں سے اٹا ہوا تھا۔ کیونکہ عمارت کے سامنے کا حصہ اسی بیل نے گھیر رکھا تھا۔ کاریڈور میں دو جالی دار دروازے نظر آرہے تھے۔ گرمیوں کی سنسان دوپہر اور خاموشی میں لپٹی یہ عجیب سی عمارت، ثمینہ باجی ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی تھیں۔

مریم بھی لپک کر پیچھے داخل ہونے لگی کہ انہوں نے دروازہ چھوڑ دیا۔ دروازہ بے تابانہ اس کی طرف بڑھا۔ وہ خود بڑی تیزی سے آگے بڑھی تھی تو ضروری تھا۔ ایک لمحے کو تو اس کا سر گھوم دوسرے لمحے وہ دروازہ کھول کر اندر تھی۔ اتنی عمارت میں اگر ثمینہ باجی گم ہوگئیں تو وہ انہیں ڈھونڈے گی۔ ایک دم ہی اس پر گھبراہٹ سوار ہو اجنبی جگہ کا احساس ایک دم ہی اس کے اندر ہوا۔ اس بنگلے میں تو کوئی اسے جانتا بھی نہ تھا سوا ثمینہ باجی کے، ایک تو سر چکرا رہا تھا دوسرے سے ایک دم اندھیرے میں گئی تو راستے میں پڑی میز اس کی لپیٹ میں آگئی۔ اس نے لاکھ خود کو بچانا مگر ہاتھ بس اندھیرے میں لہرا کر رہ گئے اور سنبھلتی سنبھلتی صوفے پر جا پڑی تھی۔ صوفے خواب وجود اس ناگہانی آفت پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا ہوا؟ کون ہے؟"

"افوہ دیکھ کر چلو مریم!" ثمینہ باجی نے ہاتھ اسے کھینچا۔ خجالت سے مریم کا برا حال تھا۔ اس لپک کر ثمینہ باجی کا پلو پکڑ لیا جو دوسرے دروازے باہر نکل رہی تھیں۔ لان کے دوپٹے سے پسینہ کرتے ہوئے مریم نے پلٹ کر دیکھا۔ اندھیرے ڈوبا وجود بڑبڑاتے ہوئے پھر سے صوفے پر دراز تھا۔

دروازہ کھول کر سامنے ایک وسیع صحن تھا جس تین اطراف برآمدے تھے ان کے پیچھے کمروں کے دروازے تھے۔ ایک طرف دو تین بچوں کی سا پڑی تھیں۔ سامنے والے برآمدے میں موٹر سا کھڑی تھی۔ ثمینہ باجی دائیں طرف والے برآ کی طرف مڑ گئیں جہاں کین کی دو سفید کرسیاں سے اٹی تھیں۔

"یہ میرا پورشن ہے۔" ثمینہ باجی نے اندر دا ہوتے ہوئے بتایا۔ اب کے مریم نے اندر دا ہوتے ہوئے دروازے پر بہت احتیاط سے ہاتھ کیونکہ ان جالی کے دروازوں میں کوئی رکاوٹ تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے کھلتے اور اگر احتیاط سے کیا جائے تو اسی جھٹکے سے واپس آکر دھڑام سے ہوتے تھے۔ شدید گرمی سے اندر آتے ہی ایک

فرحت بخش احساس ہوا تھا۔ کمرے میں اے۔ سی کی ٹھنڈک تھی اور لائٹیں ساری روشن تھیں۔

"دیکھو یہ حال ہے یہاں کے ملازموں کا۔ اے سی یوں چلاتے ہیں جیسے ان کے باپ ہی بل دیں گے۔ لائٹیں بھی ساری جل رہی ہیں اور یہ رانی نجانے کہاں دفع ہوگئی ہے۔"

ثمینہ باجی نے غصے سے کہا۔ مریم چپ چاپ دوپٹے سے پسینہ خشک کرتی رہی۔ ثمینہ باجی نے فریج کھول کر اسکوائش کی بوتل نکالی۔

"دیکھو ذرا صبح ابھی میں گئی ہوں بوتل آدھی بھی ہوگئی۔" انہوں نے بوتل مریم کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"جی۔" اب وہ اور کیا کہتی۔ ثمینہ باجی بوتل ہاتھ میں لے کر دائیں طرف دروازے میں داخل ہوگئیں۔ جاتے ہوئے وہ دروازہ کھلا ہی چھوڑ گئی تھیں۔ سامنے ڈائننگ ٹیبل کا آدھا حصہ نظر آرہا تھا اور اس سے آگے شاید کچن تھا کیونکہ ثمینہ باجی وہیں گئی تھیں۔ مریم بیڈ پر بیٹھ کر اپنا پاؤں دیکھنے لگی۔ جو بہت بری طرح میز سے ٹکرایا تھا۔ پاؤں کے انگوٹھے میں سوجن ہو رہی تھی۔ درد کی ہلکی ہلکی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور اس وقت وہ اپنے گھر میں ہوتی تو رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی۔ مگر اب وہ چپ چاپ انگوٹھا دیکھتی رہی۔ تب ہی ثمینہ باجی شیشے کے جگ میں اسکوائش بنا لائیں۔ فریج کھول کر برف کے کیوبز نکالے۔ انہیں گلاس میں ڈالتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا جو اب تک پاؤں کے انگوٹھے کو گھور رہی تھی۔

"کیا بہت چوٹ لگی ہے؟" انہوں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"نہیں۔ زیادہ تو نہیں۔" مریم نے پاؤں نیچے اتار کر جوتے میں پھنسا لیا۔

"اچھا یہ لو۔ جتنا پینا ہے پی کر باقی فریج میں رکھ دینا۔" انہوں نے جگ گلاس اس کے ہاتھ میں دے کر کہا اور خود بیڈ پر دراز ہوگئیں۔ مریم نے شربت پی کر باقی جگ فریج میں رکھا اور گلاس فریج کے اوپر۔ ثمینہ باجی نے ناگواری سے فریج کے اوپر رکھے گلاس کو دیکھا۔ کچھ کہنے کے خیال سے منہ کھولا۔ پھر خاموش ہوگئیں۔ شاید خیال آگیا تھا کہ وہ پہلے دن یہاں آئی ہے۔ ورنہ ایسی بے ترتیبی انہیں سخت ناپسند تھی۔ مریم فریج کے پاس کھڑی سوچتی رہی کہ اب کیا کرے۔

"تم اب آرام کرلو۔ بچے تو دو بجے اسکول سے واپس آتے ہیں اتنے بجے ہی تمہارے بھائی جان بھی آجائیں گے۔"

"جی اچھا۔" مریم نے سعادت مندی سے سر جھکا لیا کہ اس وقت وہ خود بھی آرام چاہتی تھی۔

"ایسا کرو، تم بچوں کے کمرے میں چلی جاؤ۔ بچوں کو میں آج ادھر سلالوں گی پھر دیکھیں گے، تمہارا ٹھکانا کدھر بنانا ہے۔" سعدیہ باجی نے کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"یہاں سے نکل کر ساتھ والا دروازہ ہے۔ ساتھ میں اٹیچ باتھ بھی ہے۔ نہانا چاہو تو نہا لینا۔" اچانک انہیں کچھ یاد آیا۔ "تمہارا بیگ کہاں ہے۔؟"

"بیگ۔" مریم نے دماغ پر زور ڈالا "بیگ تو گاڑی میں ہی رہ گیا۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"تم بہت لاپروا ہو مریم۔" ثمینہ باجی اب اس سے زیادہ کیا کہہ سکتی تھیں۔

"آپ شام کو نکال دیجیے گا باجی! ابھی تو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" اتنی گرمی میں ان کے باہر نکلنے کے خیال سے وہ شرمندگی سے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ جاؤ تم آرام کرو۔ میں بھی دیکھوں رانی ارمغان کو کدھر لے گئی۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے سائیڈ کی دراز کھولی اور ایک ٹیوب نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"پاؤں میں اگر تکلیف ہوئی تو یہ لگا لینا۔" مریم نے ان کے ہاتھ سے ٹیوب لے لی۔ ساتھ والے کمرے میں دو بیڈ موجود تھے۔ کمرہ بہت خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا تھا۔ مریم سب سے پہلے جی بھر کے نہائی پھر انگوٹھے پر دوائی لگا کر لیٹ گئی تو شاید تھکن کی وجہ سے چند لمحوں بعد ہی نیند آگئی۔

سوا تین بجے اس کی آنکھ خود بخود کھل گئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ ساتھ والے بیڈ پر دو بہت خوبصورت بچے سوئے تھے دونوں کی عمریں تھی کوئی

آٹھ یا چھ سے درمیان تھیں۔ یہ یقیناً ثمینہ باجی کے بچے تھے۔ خالہ بتا رہی تھیں کہ ثمینہ باجی کے تین بیٹے ہیں۔ لیکن مریم کو ان کے نام یاد نہیں تھے۔ تبھی مریم کو احساس ہوا کہ اسے بھوک لگی ہے اس نے صبح بس ناشتہ ہی کیا تھا۔ دوپہر کا کھانا راستے میں گول ہو گیا اور اب سہ پہر کے سوا تین ہو گئے تھے۔

"اب کیا کروں۔ بھوک تو بہت زیادہ لگی ہے۔" منہ ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے سوچا۔

"اب کیا کروں؟" وہ کچھ پریشان ہو گئی بھوک تو یوں بھی اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

"یہ بیڈروم کا دروازہ ہے۔ یہ ڈرائنگ روم کا اور یہ کچن کا۔" وہ اندازے سے کچن کے سامنے کھڑی تھی۔ آہستہ سے دروازہ دھکیلا پھر زور سے۔ مگر دروازہ بند تھا۔ شاید ثمینہ باجی نے اندر سے بند کیا تھا۔

"اف کیا مصیبت ہے۔" غصے سے وہ پاؤں پٹخ کر رہ گئی۔ "پتا نہیں یہ لوگ کب اٹھیں گے؟" کچھ لمحے یونہی ٹہلتی رہی پھر وہی اس کی ازلی پارہ صفت فطرت ابھر آئی۔

"اس سے تو بہتر ہے۔ باغ کا جائزہ لے آؤں جب یہیں رہنا ہے تو دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" بہت سوچ کر وہ آگے بڑھی پھر دروازے کے پاس جا کر رک گئی۔

"یہاں تو شاید کوئی تھا لیکن ہو سکتا ہے اب کہیں اور چلا گیا ہو۔" وہ دونوں ہاتھ جالی کے دروازے پر رکھ کر اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگی۔ کمرے میں اب بھی اندھیرا تھا اور کچھ بھی واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کون ہے؟" وہی گرجتی ہوئی آواز۔ وہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹی اور بگٹٹ بھاگی دائیں طرف کے کھلے دروازے میں گھس گئی۔ تب یہی احساس ہوا کہ یہ دروازہ باغ میں ہی کھلتا تھا۔

"اف خدایا کیسی ڈراؤنی آواز ہے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر سانس درست کرنے لگی۔ اور گھومتے ہوئے باغ کے سامنے والے حصے میں آ گئی۔ یہیں باغ کی حالت کچھ بہتر تھی ورنہ اردگرد تو صرف جھاڑ جھنکاڑ ہی رہ گیا تھا۔ یہاں کے لوگ اس خوبصورت حصے سے کتنے بے نیاز تھے مریم کو افسوس ہونے لگا۔ نجانے اللہ میاں اتنی خوبصورت چیزیں اتنے بدذوق لوگوں کو کیوں دے دیتا ہے۔ اور اگر یہ باغ میری ملکیت ہوتا تو یہاں کا رنگ ہی بدل دیتی چاروں طرف پھولوں کی کیاریاں بناتی۔ جھولا ڈالتی۔ یہاں تو یوں لگتا ہے جیسے ہر چیز خود بخود اگ آئی ہے بغیر کسی محنت اور توجہ کے۔ تبھی تو ہر پودا ہر پرندہ بیزار سا اکتایا سا لگ رہا ہے۔ درختوں کا رنگ بھی کتنا میلا سا ہے۔

اس سنسان سہ پہر میں وہ اکیلی وہاں گھومتی رہی۔ ایک طرف بہت بڑا سا پنجرہ تھا جس میں رنگ برنگی چڑیاں اور طوطے تھے۔ مگر سب خاموش خاموش سے۔ مریم نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ پنجرہ بہت گندا ہو رہا تھا۔ پانی کے کٹورے میں پانی تو تھا مگر گدلا سا مریم نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ دائیں طرف درختوں کے پیچھے اسے نل نظر آیا تو اس نے پنجرے کا دروازہ کھول کر کٹورہ باہر نکالا۔ نل پر جا کر خوب رگڑ رگڑ کر صاف کیا اور ٹھنڈا پانی بھر کے پنجرے میں رکھ دیا۔ ساری چڑیاں ایک دم اڑ کر کٹورے پر آ بیٹھیں اور چونچ بھر بھر کر پانی پینے لگیں۔ مریم کو یہاں کے مکینوں پر غصہ آنے لگا۔

"یہاں کے لوگوں کو تو عادت ہے سب کو بھوکا پیاسا مارنے کی۔ مگر تم فکر مت کرو۔ اب میں آ گئی ہوں۔"

اس نے پنجرے پر ہاتھ رکھ کر ان کو تسلی دی۔ تبھی نظر فالسے کے پیڑ پر پڑی تو فالسے سے بھرا تھا۔ اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ ایک ہی چھلانگ میں وہ ادھر تھی۔ کھٹا میٹھا فالسہ۔ اس نے مٹھی بھر فالسے توڑے اور مزے سے کھاتے ہوئے نگاہیں اردگرد دوڑانے لگی۔ آم کے درختوں پر بڑے بڑے کچے آم لگے تھے۔ لیموں کے پیڑ سفید سفید پھولوں سے لدے تھے۔ امرود۔ شہتوت اور جامن کے پیڑ بھی تھے۔

"یہاں کے لوگوں کو تو کچھ بھی نہیں خریدنا پڑتا ہو گا۔" تب ہی اس کی نگاہ بائیں دیوار پر پڑی۔

سب سے پہلے چمکدار سیاہ بالوں سے سجا سر نظر آیا اس کے بعد گہری سیاہ آنکھیں۔ اور دوسرے لمحے وہ

چھ فٹ کا نوجوان دیوار پھلانگ کر اس کے سامنے تھا۔ مریم کی تو جیسے جان نکل گئی۔ اتنی سنسان جگہ اور وہ اکیلی۔ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر اس نے چیخنا چاہا۔ وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام کر جھنجھوڑ کر بولا۔

"خبردار اگر چیخی تو گلا دبا دوں گا۔" مریم کی آواز اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ براؤن آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔

"آہا بے وقوف لڑکی ڈر گئی نا۔" وہ اس کے دونوں ہاتھ چھوڑ کر ہنسا۔

"پاگل! میں تمہیں چور ڈاکو نظر آ رہا ہوں جو اس طرح ڈر رہی ہو۔" اس کے بے تکلف سے انداز پر مریم کا خوف تھوڑا کم ہوا۔ سفید کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس وہ ٹھیک ٹھاک اور معقول انسان لگ رہا تھا۔

"تم ہو کون؟" اب کے وہ قدرے تیکھے لہجے میں بولی۔

"میں طاہر ہوں ادھر ساتھ والے گھر میں رہتا ہوں۔ عام طور پر اسی رستے سے آتا ہوں۔ گیٹ سے بڑا لمبا چکر پڑتا ہے نا۔"

اس کا لہجہ بڑا سیدھا سادا تھا۔ مریم کو وہ اتنا برا نہیں لگا۔ لڑکوں کے ساتھ یوں بھی اس کی بہت بنتی تھی۔ آٹھویں تک وہ محلے کے لڑکوں کے ساتھ گلی ڈنڈا اور پتنگ بازی کرتی رہی تھی۔ اس کے بعد اماں کو احساس ہوا کہ وہ تو لڑکی ذات ہے تو پھر اس پر پابندی لگا دی گئی۔ اس کے بوائے کٹ بالوں کو اماں تیل اور نجانے کن کن نسخوں سے کمر تک لے آئیں۔ مگر پھر بھی خاندان بھر میں لڑکیوں سے کم اور لڑکوں سے دوستی زیادہ تھی۔ سائیکلنگ 'لڑائی' درختوں پر جھولنا یہ ساری عادتیں اماں نے باقاعدہ ڈنڈے کے زور پر قابو میں کی تھیں۔

"تم کون ہو؟ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تمہیں؟" طاہر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میں مریم ہوں۔ ثمینہ باجی کے ساتھ آئی ہوں۔ اب یہیں رہوں گی۔" مریم نے اعتماد سے گندے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے تعارف کروایا۔

"کیا ہمیشہ؟" طاہر خاصا خوش ہوا تھا یہ سن کر۔

"پتا نہیں۔" مریم کندھے اچکا کر لاپروائی سے بولی۔

"تمہارے والدین۔"

"تم اتنی دوپہر میں باہر کیا کر رہے تھے؟" مریم نے صفائی سے بات کا رخ بدلا۔ طاہر بھی سمجھ گیا اور لاچاری سے کندھے اچکا کر بولا۔

"مجھے دوپہر میں نیند نہیں آتی اور تم؟"

"میں سو چکی ہوں۔" مریم نے اردگرد دیکھتے ہوئے کہا اب وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" طاہر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے کیا۔ مٹھی بند کرنے کی وجہ سے سارے فالسے پچک گئے تھے۔ ہاتھ گندا ہو رہا تھا۔

"تم کتنی گندی لڑکی ہو۔ کھٹے فالسے کھاتی ہو۔" وہ ناک چڑھا کر بولا۔

"بھوک لگی تھی مجھے۔" مریم نے سارے فالسے نیچے گرا دیے۔

"بھوک لگے تو کھانا کھاتے ہیں۔" طاہر جتاتے ہوئے بولا۔

"اگر مل جائے تو۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"کیا مطلب یہ لوگ تمہیں کھانا نہیں دیتے۔" طاہر کی سیاہ آنکھوں میں حیرت بھر آئی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں مگر سب کے سب سو رہے ہیں دروازے بند کر کے۔ کچن کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔" مریم نے منہ بناتے ہوئے وضاحت کی۔

"او اٹس ناٹ فیئر۔ تم میرے گھر چلو۔" طاہر نے جلدی سے آفر کی۔

"نہیں۔ بس ٹھیک ہے۔" مریم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کون سا اس کو جانتی تھی جو منہ اٹھا کر چل دیتی۔ طاہر بھی اس کی ہچکچاہٹ سمجھ گیا۔

"اچھا یہ لو چاکلیٹ کھاؤ۔" طاہر نے جینز کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر چاکلیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ مریم سوچنے لگی ایک بالکل اجنبی شخص کے ساتھ وہ اتنی دیر سے باتیں کر رہی ہے۔ دیکھنے میں تو بہت اچھا اور اپنا اپنا سا لگتا ہے مگر ہے تو اجنبی اور یہ چاکلیٹ۔

وہ بہت غور سے چاکلیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طاہر نے ریپر پھاڑ کر چاکلیٹ نکالا۔ ذرا سا اپنے منہ میں ڈالا اور باقی اس کی طرف بڑھا دیا۔ مریم بری طرح شرمندہ ہو گئی اور اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے لیا۔

"دیکھو لڑکی! اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو مجھ سے دوستی کرنا ہوگی۔" طاہر گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"کیوں ضروری ہے کیا؟" مریم نے چاکلیٹ کھاتے ہوئے بے نیازی سے پوچھا۔

"ہاں بہت ضروری ہے' اس سے تمہیں بہت فائدہ ہوگا۔"

"**مثلاً**"۔

مثلاً "یہ کہ میں اس گھر کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ ایک ایک بندے کی عادت و فطرت کے بارے میں جانتا ہوں اور تمہیں ہر جگہ اور ہر موقع پر گائیڈ کر سکتا ہوں پھر سوچو' تمہارے لیے یہاں رہنا کتنا آسان ہو جائے گا۔"

مریم سوچ میں پڑ گئی۔ یہی سب کچھ ثمینہ باجی بھی بتا رہی تھیں اور اس نے کچھ بھی نہیں سنا تھا حالانکہ اسے اب یہیں رہنا تھا ان ہی لوگوں کے درمیان۔

"اے کیا سوچ رہی ہو؟" طاہر نے فالسے کا دانہ اٹھا کر اسے مارا جو سیدھا اس کی ناک پر لگا تو وہ چونک گئی اور بغیر برا مانے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"تم مجھے بتاؤ گے ان سب کے بارے میں۔"

"ہاں مگر پہلے تمہیں مجھ سے دوستی کرنا ہوگی۔" طاہر نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔

"تمہیں غصہ تو نہیں آتا؟" وہ اس کا پھیلا ہاتھ نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔

"نہیں۔" وہ اس کے سوال پر حیران ہوا۔

"لڑو گے تو نہیں مجھ سے۔"

"دوستوں سے بھی کوئی لڑتا ہے بھلا۔" طاہر سنجیدگی سے بولا۔

"تو ٹھیک ہے نا" مریم نے جھٹ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ویٹس گڈ۔"

"اب بتاؤ مجھے ان کے بارے میں۔" مریم نے بے تابی سے پوچھا۔

"تمہیں یہ تو پتا ہے' یہاں کون کون رہتا ہے۔"

مریم نے جھٹ نفی میں گردن ہلا دی۔

"ایں۔" وہ حیران ہوا "چلو پھر شروع سے شروع کرتے ہیں۔ **ایکچوئیلی** یہ گھر چوہدری شہباز علی کا ہے۔"

"چوہدری شہباز علی۔" مریم نے زیر لب دہرایا۔

"ہاں یہاں انہیں سب ابا جی کہتے ہیں' اگرچہ وہ زیادہ تر زمینوں پر ہی رہتے ہیں۔ ادھر ان کا کوئی مکمل دخل نہیں کیونکہ میرے خیال میں ان کی اولاد اب ان کا عمل دخل برداشت بھی نہیں کرتی۔ مگر پھر بھی مرا ہوا ہاتھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے اگر تم ان کی خدمت جم کر کرو گی تو وہ ضرور تمہارے کام کسی نہ کسی وقت آ جائیں گے۔"

مریم بہت انہماک سے سن رہی تھی۔

"ابا جی دل کے بہت اچھے ہیں اور سب سے یکساں پیار کرتے ہیں۔ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بائیں طرف کے پورشن میں ان کے بڑے بیٹے وجاہت علی رہتے ہیں۔ ان کی مسز رخسانہ وجاہت مقامی کالج میں تاریخ پڑھاتی ہیں اور خود وجاہت علی بینک کے مینجر ہیں' ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ دانش' علی' اور فضا میٹرک میں پڑھتی ہے اور اچھی لڑکی ہے لیکن تم ذرا ان سے زیادہ تعلقات بڑھانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ لوگ فاصلہ رکھ کر ملنے کے قائل ہیں۔ ان کے پاس اگر کوئی دس منٹ سے زیادہ آ کر بیٹھ جائے تو ان کا موڈ آف ہو جاتا ہے۔ سمجھ رہی ہو نا۔" طاہر نے پوچھا تو مریم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سامنے والے پورشن میں ابا جی کی بیٹی نصرت اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ انہیں سب آپا جان کہتے ہیں۔"

"لیکن وہ یہاں کیوں رہتی ہیں۔ انہیں تو اپنی سسرال میں یا کہیں اور رہنا چاہیے۔" مریم نے فوراً سوال داغا۔

"ان کے سسرال والے ان پر ظلم بہت کرتے ہیں۔" طاہر نے سنجیدگی سے کہا پھر ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسنے یا خوش ہونے والی کیا بات ہے۔" مریم نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ یہ صرف ان کا خیال ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں آپا جان ہوں وہاں سے امن و سکون رخصت ہو جاتا ہے ماں باپ کی اکلوتی لاڈلی بیٹی ہیں۔ سو چند دن بھی سسرال میں نہ ٹک سکیں۔ اب ان کے میاں کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ سالوں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں۔ ان کے گھر کا اور بچوں کی تعلیم کا سارا خرچ آپا جی کے بھائیوں نے اٹھایا ہوا ہے اور اسی وجہ سے ان کا اپنی بیویوں کے ساتھ اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ کیونکہ نہ صرف ان کے میاں کی کمائی کھا رہی ہیں' اوپر سے یہ بھی چاہتی ہیں کہ اس پورے گھر پر کنٹرول صرف ان کا ہو گویا وہ ساس کا رول بخوبی ادا کر رہی ہیں۔ ان سے تم جب ملو گی تو ان کے اخلاق کی گرویدہ ہو جاؤ گی۔ مگر ذرا بچ کر رہنا' وہ میٹھی چھری ہیں جلانا اور پھر جلتی پر تیل ڈالنا ان کا پسندیدہ اور بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اول تو تم ان کے پاس جانا ہی نہیں اور اگر جانا ہو تو منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ جانا یا پھر گونگے کا گڑ کھا کر جانا۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"بس وہ بھی ہوتا ہے۔ تم ان کی ہر بات پر جی حضور! جی حضور کرتی رہنا۔" طاہر نے پتے کی بات بتائی۔

"میں خواہ مخواہ جی حضور کرتی رہوں' چاہے وہ غلط بات بھی کر رہی ہوں۔" مریم تنک کر بولی۔

"ہاں اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں۔" طاہر نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "تم جیسی بے وقوف لڑکی کو تو وہ چٹکیوں میں اڑا دیں گی۔"

"میں بے وقوف نہیں ہوں۔" وہ تڑخ کر بولی۔ طاہر مسکرا دیا۔

"باقی رہیں ثمینہ باجی' ان کو تم جانتی ہی ہو' ٹیچر کی بھی ہیں۔ ان کے بچے بھی باقی بچوں کے مقابلے میں زیادہ سلجھے ہوئے ہیں۔ چھوٹا تھوڑا شرارتی ہے لیکن

سب سے بڑے عثمان سے تم دوستی کر لینا۔ وہ تمہارے کئی چھوٹے موٹے کام کر دیا کرے گا۔ افتخار بھائی یوں تو اچھے ہیں لیکن ان کے سامنے تم ٹی۔ وی دیکھنے، رسالے پڑھنے اور کھیلنے کودنے سے احتراز کرنا انہیں یہ سب بہت واہیات لگتا ہے۔ اور ابا جی کے آخری بیٹے ابہتاج علی ہیں۔ ان کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔ ویسے تو ابہتاج بھائی اچھے ہیں بس ذرا سنجیدہ نیچر کے مالک ہیں اور تھوڑا غصہ زیادہ آتا ہے۔ تم ان سے کوئی تعلق نہ رکھنا۔ آج کل وہ یوں بھی سی۔ ایس۔ ایس کی تیاری میں مشغول رہتے ہیں۔ افتخار بھائی تحصیل دار ہیں اور ثمینہ باجی کا اپنا انگلش میڈیم اسکول ہے۔ اور بہت اچھا اسکول ہے۔"

"بس۔" اس کے خاموش ہونے پر مریم مایوسی سے بولی۔

"بس۔" طاہر اس کے انداز پر مسکرا دیا۔ "مریم! یہاں کے لوگ محبت کرنا بھول گئے ہیں۔ وہ رہتے تو اکٹھے ہیں مگر اس انتظار میں کہ کب انہیں علیحدہ ہونے کی اجازت ملتی ہے۔ اس گھر کی حالت دیکھ رہی ہو۔ کوئی یہاں پیسہ لگانے کو تیار نہیں۔ سب اپنی اپنی جگہ پر دبکے ہیں۔"

طاہر کے انداز میں افسردگی سی تھی۔ "یہ جو گاڑی کھڑی ہے ابہتاج بھائی کی ہے، سب اسی کو استعمال کریں گے حالانکہ یہاں کا ہر بندہ گاڑی افورڈ کر سکتا ہے مگر خریدے گا نہیں۔ صرف ابا جی کی ذات ہے جس کی بنا پر یہ سب یہاں موجود ہیں ورنہ کب کے اپنے اپنے ٹھکانے بنا چکے ہوتے۔"

"طاہر! یہاں کوئی معقول بندہ بھی رہتا ہے۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" مریم نے کہا تو وہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں رہتا ہے۔"

"کون ہے؟" مریم نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میں۔" وہ اپنے سینے پر انگلی رکھ کر مسکرایا۔ سیاہ آنکھوں میں شرارت چمکنے لگی۔

"تم کون ہو؟" مریم شاید اس کا پورا تعارف چاہتی تھی۔

"میں۔" سیاہ آنکھوں کا رنگ کچھ اور گہرا ہو گیا۔

"میں طاہر شہباز علی ہوں۔"

"کیا؟" مریم اچھل ہی تو پڑی "تو کیا تم بھی ان ہی میں......"

"ہاں میں بھی ان ہی میں سے ہوں لیکن یہ لوگ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتے سوائے ابہتاج بھائی کے کیونکہ۔" وہ ذرا سا رکا "کیونکہ میں ان کا سوتیلا بھائی ہوں۔"

مریم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ اس کی حد درجہ حیران آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔

"یہ جو میرا گھر ہے، یہ پہلے اس بنگلے کی انیکسی تھی۔ دیوار اٹھا کر ابا جی نے ہمارے لیے ایک مکمل گھر بنا دیا۔ یہاں صرف میں اور میری امی رہتی ہیں۔ میرا کوئی بہن بھائی نہیں ہے نا۔ شاید میں غلط کہہ گیا۔" وہ پیشانی پر شہادت کی انگلی مار کر بولا۔

"بہن بھائی تو ہیں مگر۔" اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑی۔

"میں اب چلتی ہوں۔" مریم کو ایک دم بہت وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

"سنو! تم نے اپنے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔" وہ اسے روکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"تم بھی یہیں ہو اور میں بھی پھر کسی دن بتا دوں گی۔ اب ثمینہ باجی اٹھ گئی ہوں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ جلد ہی مان گیا۔ "پھر ملیں گے دوست۔" کہہ کر دیوار پھلانگ گیا تو اس نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ثمینہ باجی کچن میں مصروف تھیں۔

"تم کہاں گئی تھیں مریم؟"

"میں کافی دیر پہلے اٹھ گئی تھی، باغ دیکھنے چلی گئی تھی۔" مریم نے آہستگی سے بتایا۔

"بچے بہت بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں تمہارا۔ تم یہ ملک شیک اپنے بھائی کو دے آؤ اور سلام بھی کر لینا۔ میں نے تمہارے بارے میں انہیں بتا دیا ہے۔" ثمینہ باجی نے ملک شیک کا جگ اس کی طرف بڑھایا۔

"اتنا تو مجھے بھی پتا ہے ثمینہ باجی۔" مریم نے کہا تو ثمینہ باجی ہنس دیں۔

"پتا ہے مجھے تم بہت عقل مند ہو۔"

"السلام علیکم بھائی جان۔" مریم نے جگ گلاس افتخار بھائی کی طرف بڑھایا۔

"وعلیکم السلام۔" خاصی خوش دلی سے کہا گیا تھا۔

"کیسی ہو مریم؟"

"جی ٹھیک ہوں۔" مریم نے آہستگی سے کہا۔ پھر واپس آ گئی۔

"لو تم بھی پی لو۔ تم نے دوپہر میں بھی شاید کچھ نہیں کھایا۔ یا پہلے کھانا کھا لو۔" ثمینہ باجی کو اچانک یاد آیا تھا۔

"کھانا اب رات ہی کو کھاؤں گی۔" مریم نے گلاس تھاما، شاید بھوک ہی مر گئی تھی یا کھانے کا موڈ نہیں رہا تھا۔

"تم بچوں سے مل لو۔" ثمینہ باجی نے کہا تو وہ ملک شیک پی کر بچوں کے بیڈ روم میں آ گئی۔

آٹھ سالہ عثمان، چھ سالہ رومان اور تین سال کا چھوٹا عرفان تھا۔ عرفان نے اسے دیکھتے ہی دونوں ہاتھوں کو آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ بہت ہی پیارا اور شرمیلا سا تھا۔ مریم نے اسے پیار کرنا چاہا تو وہ عثمان سے لپٹ گیا۔

"مما پاس جانا ہے۔" عثمان اسے اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"آپ مریم باجی ہیں نا۔" رومان نے اس کے پاس آ کر پوچھا۔ وہ خاصا شوخ اور باتونی لگ رہا تھا۔

"میں رومان ہوں اور کلاس تھری میں پڑھتا ہوں۔" اس نے بڑے اعتماد سے تعارف کروایا۔ تب ہی عثمان عرفان کو ثمینہ باجی کے پاس چھوڑ کر آ گیا۔

"آپ کا کیا نام ہے۔" مریم نے اس کا ہاتھ تھام کر پاس بٹھا لیا۔

"عثمان۔" رومان کی نسبت وہ بہت کم گو تھا۔ مریم وہیں بیٹھی ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہی۔ بنگلے میں شام اتر آئی تھی اور حقیقی معنوں میں اس خاموش عمارت میں زندگی جاگ اٹھی تھی۔ باہر سے بچوں کے ہنسنے بولنے اور ماؤں کے پکارنے کی آوازیں آنے لگیں بلکہ بچے خود یہاں آ کر اپنا تعارف کروا گئے تھے۔ سب کے سب بہت ذہین اور پر اعتماد بچے تھے۔ مریم متاثر سی ہو گئی۔ باہر چارپائیاں بچھی تھیں۔ کرسیاں پڑی تھیں۔ بڑے بڑے ایر کولر لگ گئے تھے۔ تین بجے ثمینہ کی نوکرانی رانی چھٹی کر جاتی تھی۔ سو عرفان کو بہلانے کی ذمہ داری عثمان اور رومان کے سپرد تھی۔ خود وہ رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ وہیں چارپائی پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔ انہوں نے مریم کو وہیں بلا لیا۔ اور سب سے تعارف کرانے لگیں۔

"چلو اچھا ہے ثمینہ! تمہارا ابھی ہاتھ بٹ جائے گا۔" رخسانہ باجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں گھر ٹوٹ جائے تو بچے کہاں سکھی رہتے ہیں۔ یونہی ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں۔" آپا جی نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"اس گھر کو اپنا گھر ہی سمجھنا مریم۔" وہ بہت لاڈ سے کہہ رہی تھیں، نہایت اپنائیت بھرا لہجہ۔ مریم ان کے اخلاق کی معترف ہو گئی۔ جبکہ ثمینہ باجی دل ہی دل میں کلس کر رہ گئیں جب انہوں نے مریم کی آمد کے بارے میں بتایا تھا تو انہوں نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

"ہاں بھئی، اب تو تمہارا ہی راج ہے۔ میرے بھائی کی کمائی جن پر مرضی لٹاؤ وہ بے چارا کب پوچھتا ہے۔ چاہو تو یتیم خانہ کھول لو۔" اور اب کیسے محبت جتائی جا رہی تھی۔ جیسے مریم کا دکھ ان کا اپنا دکھ ہو۔

"مریم! یہ سبزی اٹھا کر کچن میں رکھو۔" ثمینہ باجی نے کہا تو وہ جلدی سے اٹھ گئی تبھی آپا جی کے شوہر نعیم حسین آ گئے۔ ثمینہ باجی کے اشارے پر اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو انہوں نے جیتی رہو کہہ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ مریم کو وہ بہت بے ضرر اور شفیق سے لگے تھے۔

"ثمینہ! گاڑی کی چابی۔" ابہتاج نے آ کر پوچھا۔ ثمینہ ان کے چچا کی بیٹی تھیں اور ان کی ہم عمر بھی۔ بچپن سے ایک ساتھ ہی کھیلے تھے۔ تبھی وہ اب بھی انہیں نام سے ہی بلاتے تھے۔ انہوں نے سرسری سی

نگاہ مریم پر ڈالی۔

"السلام و علیکم۔" مریم نے جلدی سے سلام داغ دیا کہ ہر بار ثمینہ باجی ہی اسے اشارا کرتی تھیں۔

"وعلیکم السلام۔" ابہتاج نے سوالیہ نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"مریم ہے اب یہیں رہے گی۔" شاید وہ مریم کا ذکر پہلے یہاں کر چکی تھیں۔

"اچھا۔۔ وہ چابی۔" براؤن کاٹن کے کرتا شلوار میں وہ مریم کو خاصے خشک سے لگے۔

"مریم! جانا ذرا' وہ فریج پر گاڑی کی چابی رکھی ہے۔" ثمینہ باجی نے کہا تو وہ جلدی سے اندر آئی۔ فریج پر دیکھا تو چابی نہیں تھی۔ اس نے کئی دوسری جگہوں پر دیکھا۔ چابی کہیں بھی نہیں تھی۔

"چابی یہاں نہیں ہے۔" ابہتاج کو اندر آتا دیکھ کر وہ تیزی سے بولی۔ ابہتاج کی نگاہ سیدھی سائیڈ ٹیبل پر پڑی چابی پر پڑ گئی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر چابی اٹھائی اور اس کے سامنے لہرا کر بولے۔

"اسے چابی کہتے ہیں۔" مریم شرمندہ سی ہو گئی۔ وہ دروازے تک جا کر پھر پلٹے۔

"دیکھو' تمہیں رہنا تو اب یہیں ہے تو ذرا دھیان سے کمروں سے گزرا کرو اور زیادہ تانک جھانک کی بھی ضرورت نہیں۔"

"اوہ تو وہاں یہ تھے۔" مریم بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

. ☆ .. ☆ .*

صبح مریم کی آنکھ اذان کے ساتھ ہی کھل گئی تھی۔ اس نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ عثمان اور رومان ایک ہی بیڈ پر سو رہے تھے دوسرا بیڈ انہوں نے بخوشی مریم کو دے دیا تھا۔

نماز کی عادت بھی اسے خالہ کے ہاں سے پڑی تھی کہ وہاں سب کے سب پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ اور خالہ اسے بھی سختی سے نماز کی تاکید کرتی تھیں اب وہ خود نماز میں اتنا سکون محسوس کرتی کہ باقاعدگی سے پانچوں وقت خدا کے سامنے سربسجود ہو جاتی۔ ابھی کوئی بھی نہیں اٹھا تھا۔ سارا بنگلہ خاموشی میں ڈوبا تھا۔ وہ درود شریف کا ورد کرتی باغ میں نکل آئی۔ فرحت بخش ٹھنڈی ہوا میں بھینی بھینی خوشبو پھیلی تھی۔ وہ جیسے ہلکی پھلکی ہو کر خوشبو کو اپنے اندر اتارتی ننگے پاؤں نرم اوس میں بھیگی گھاس پر ہولے ہولے قدم دھرتی چلتی رہی۔ پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں صبح کی خوبصورتی کو کچھ اور بڑھا رہی تھیں۔ تب ہی اس کی نگاہ گھاس پر کھیلتے تین سفید خرگوشوں پر پڑی۔ دو خرگوش ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ سب سے چھوٹے خرگوش کو نیچے گرا آم مل گیا تھا۔ وہ اسے اپنے تیز دانتوں سے کترنے لگا۔

تب ہی عثمان بھاگا آیا۔ اس ننھے سے خرگوش کو گود میں لے کر وہیں گھاس پر بیٹھ گیا۔ مریم کی نگاہ بھٹک کر لکڑی کے گیٹ پر گئی۔ طاہر اور ابہتاج علی ایک جیسے گرین اینڈ وائٹ ٹریک سوٹ میں جوگنگ کرتے آ رہے تھے۔ طاہر نے اسے دیکھتے ہی ہاتھ ہلایا۔ ابہتاج نے بھی اسے دیکھا لیکن سیدھے نکل گئے جبکہ طاہر اس کی طرف مڑ آیا۔

"ہیلو ماسٹر! ہیلو فرینڈ' کیا ہو رہا ہے؟"

"یونہی سیر کے لیے نکل آئی تھی۔ تم ہر روز جاگنگ کے لیے جاتے ہو۔"

"ہاں' اسی لیے تو فٹ رہتا ہوں۔" وہ پنجوں کے بل ایک دو بار اچھلا پھر عثمان کی طرف متوجہ ہوا۔

"تمہیں آج اسکول نہیں جانا۔"

"جانا ہے چاچو! میں تو ان کو دیکھنے آیا تھا۔" عثمان نے کہا اور خرگوش چھوڑ کر بھاگ گیا۔

"تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟" طاہر نے مڑ کر مریم کی طرف دیکھا جو بڑے اشتیاق سے خرگوشوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہوں۔" وہ چونکی۔

"پگلی! جا کر ثمینہ باجی کا ہاتھ بٹاؤ۔ میں بھی یونیورسٹی کی تیاری کرتا ہوں۔"

"تم پڑھتے ہو۔" وہ یونیورسٹی کا سن کر بولی۔

"ہاں۔ اب شام کو ملیں گے۔" طاہر نے ایک لمحے کو آسمانی دوپٹے کے ہالے میں اس کے سادہ و شفاف

چہرے کو دیکھا پھر دیوار پھلانگ گیا۔ مریم نے ایک نظر ڈالتے سورج کو دیکھا پھر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"مریم! تم یقیناً "باغ میں گئی ہو گی۔" ثمینہ باجی نے اسے آتے دیکھ کر پوچھا۔ وہ بچوں کے یونیفارم استری کر رہی تھیں۔

"باجی! مجھے بھی بتائیں' کیا کرنا ہے۔" مریم جیسے ذہنی طور پر تیار ہو گئی تھی اس گھر کا حصہ بننے کے لیے۔

"بتاتی ہوں۔ تم سے تو مجھے بہت سے کام لینے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بچوں کو آواز دینے لگیں۔

"لائیں' یہ میں کرتی ہوں آپ کچھ اور کر لیں۔" مریم نے آگے بڑھ کر کہا۔

"بس یہ میرا سوٹ پریس کر دو' باقی ہو گیا ہے۔ میں تب تک ناشتہ بنا دوں۔" ثمینہ باجی نے کہا تو اس نے جلدی جلدی ان کا سوٹ پریس کیا اور کچن میں آ گئی۔

"مریم! تم یہ بچوں کے لیے پیس تل دو۔" انہوں نے ڈبل روٹی کا پیکٹ اس کے سامنے رکھا۔

"کیسے تلوں۔۔؟"

"یہ لو۔" انہوں نے پھینٹے ہوئے انڈے اس کے سامنے رکھے۔ چینی میں نے ملا دی ہے' یہ پیس اس میں ڈبو کر تل دو۔"

خود وہ آملیٹ بنا رہی تھیں۔ مریم نے فرائنگ پین اوپر رکھا۔ ثمینہ کا ایک پاؤں کچن میں تھا۔ دوسرا بیڈ روم میں۔ تیسرا چکر بچوں کے بیڈ روم میں لگتا تھا اور ابھی انہیں خود بھی تیار ہونا تھا۔ افتخار کو ناشتہ دینے کے بعد انہوں نے تیزی سے سبزی بنانی شروع کر دی۔

"یہ کس لئے؟" مریم نے پوچھا جو ان کی ہدایت کے پیش نظر عثمان اور رومان کے لنچ بکس تیار کر رہی تھی۔

"دوپہر کے لیے سالن میں اسی وقت بنا جاتی ہوں۔ روٹیاں رانی ڈال دیتی ہے۔"

"مجھے کھانا بنانا آتا ہے آپی! آپ رہنے دیں۔ میں بنا دوں گی۔" مریم نے کہا۔

"ارے بھئی' جو مجھ سے ہو سکتا ہے' وہ تو میں کروں گی۔ باقی تمہارے لیے ڈھیروں کام ہوں گے پیچھے۔" انہوں نے پیاز بگھارتے ہوئے کہا۔

"ثمینہ! میرے جوتے نہیں مل رہے' کہاں رکھے ہیں۔" افتخار بھائی نے پکارا۔

"ایک تو شوہر بھی ایسا ملا ہے کہ سامنے پڑی چیز بھی خود اٹھانا شان کے خلاف سمجھتا ہے۔"

وہ پانی کا چھینٹا دے کر کمرے میں چلی گئیں۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ ادھر بچوں کو تیار کر رہی تھیں ادھر شوہر کو۔

"تیار ہو گئے تم لوگ۔" ابہتاج نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ مریم ککر میں چمچ ہلا رہی تھی۔ وہ مریم کو دیکھ کر کمرے کی طرف مڑے۔ لیکن ثمینہ اندر آ گئیں۔

"تم ابھی تک اسی حلیے میں گھوم رہی ہو' صرف پندرہ منٹ ہیں۔" ابہتاج نے کہا۔ خود وہ ڈارک بلیو کاٹن کے سوٹ میں تیار تھے۔

"بس میرے بھائی! ابھی تیار ہوتی ہوں۔ تم نے ناشتہ کر لیا؟" ثمینہ نے سبزی کوکر میں ڈال کر چمچ چلایا۔ مریم لنچ بکس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"نہیں۔ مجھے آج کچھ لیٹ جانا ہے۔ آپ لوگوں کو چھوڑ کر پھر کر لوں گا۔"

"آنٹی! دو انڈے ہیں تو دے دیں۔" فضا بھاگی آئی۔ وہاں بھی افراتفری کا یہی عالم تھا۔

ثمینہ نے آنچ دھیمی کرتے ہوئے اسے انڈے تھمائے۔ ابہتاج نے کمرے میں جا کر ٹی وی۔ آن کر لیا۔ ثمینہ کی تیاری میں بس پندرہ منٹ لگے۔ تب تک افتخار بھائی تیار ہو کر بچوں کو پیار کرتے ہوئے چلے گئے۔

"مریم۔" ثمینہ نے تیزی سے بال سلجھا کر ان کا جوڑا سا بناتے ہوئے اسے پکارا۔

"جی باجی۔"

"مریم! عرفان ابھی سو رہا ہے اور یہ آٹھ بجے اٹھے گا' تب تک رانی آ جائے گی۔ تمہیں پراٹھا بنانا آتا ہے۔" انہوں نے سینڈل پاؤں میں پھنساتے ہوئے

پوچھا۔

"جی۔" اماں نے اسے سب ہی کچھ سکھا دیا تھا۔

"ابہتاج کے لیے پراٹھا بنا دینا۔ فریج میں بھنا ہوا قیمہ رکھا ہے وہ گرم کر دینا۔ صفائی وغیرہ سب رانی کرلے گی۔ دس بجے گاؤں سے دودھ آئے گا۔ اس میں سبز رنگ کی بوتل ہماری ہے' اسے خود ابالنا الائچی ڈال کر۔ رومان کے لیے میں نے نمکین سویاں بنالی ہیں۔ رانی کو بتا دینا۔" انہوں نے آئینے میں آخری بار اپنا جائزہ لیا اور پھر کچن میں جا کر ہنڈیا کا۔

"ماما! میری میتھ کی نوٹ بک نہیں مل رہی۔" رومان نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"ابھی بھی نہیں بتانا تھا۔ گھنٹے بھر سے کیا کر رہے ہو تم۔" انہیں غصہ ہی تو آگیا۔

"اتنی بار مما نے کہا ہے' اپنا بیگ رات کو تیار کرلیا کرو۔" عثمان نے بڑے بھائی کی طرح ڈانٹا۔ خود وہ بیگ کندھے سے لٹکائے تیار کھڑا تھا۔ ثمینہ جھنجھلاتی ہوئی کمرے میں چلی گئیں۔

"میں گاڑی نکالوں۔" ابہتاج نے ٹی۔وی آف کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں نکالو۔" انہوں نے نوٹ بک ڈھونڈ کر رومان کے بیگ میں ڈالی۔

"باجی! آپ نے تو ناشتہ کیا ہی نہیں۔" مریم نے پوچھا۔

"تم ٹھیک سے ناشتہ کرلینا ہمیں تو ناشتے کا موقع کبھی کبھی ہی ملتا ہے۔"

انہوں نے یونہی کھڑے کھڑے آملیٹ کے ساتھ آدھا سلائس لیا اور دو گھونٹ چائے کے پی کر اسے خدا حافظ اور عرفان کو پیار کر کے چلی گئیں۔ دانش' فضا' علی بھی تیار تھے۔ یہ سارے کے سارے بچے برائٹ فیوچر میں پڑھتے تھے جو کہ ثمینہ کا اسکول تھا انہوں نے ایم۔اے انگلش کے بعد بی۔ایڈ اور پھر ایم۔ایڈ کی ڈگری لی تھی کچھ عرصہ لیکچرر شپ بھی کی لیکن ان کا خواب ان کا اسکول تھا۔ ٹھوس بنیادوں پر قائم ہونے والا یہ اسکول شہر کا ہائی اسٹینڈرڈ اسکول کہلاتا تھا۔ ان کے جانے کے بعد پھر سے بنگلے پر خاموشی کا راج ہو گیا تھا۔ اب تینوں کمروں میں ایک دو گھنٹے کی افراتفری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ بیڈ روم میں کپڑے بکھرے تھے۔ جوتے جہاں بدلے گئے تھے وہیں پڑے تھے۔ ناشتے کے برتن بھی یونہی پڑے تھے۔ بچوں کے کمرے میں بھی یہی حالت تھی۔

"پتا نہیں ابہتاج بھائی کب تک واپس آئیں گے۔ اسکول نجانے کتنی دور ہے' ناشتہ بنا دوں یا۔"

وہ سوئے ہوئے عرفان کو دیکھتی ہوئی سوچتی رہی۔ تبھی رانی آگئی پندرہ سولہ سال کی دبلی پتلی لڑکی تھی۔ زیادہ باتونی نہیں تھی مگر باتیں اچھی کرتی تھی۔ البتہ کام کے معاملے میں بہت پھرتیلی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تینوں کمروں میں بکھری چیزیں سمیٹ لیں۔

"عرفان اٹھ جائے تو مجھے کچھ بھی نہیں کرنے دے گا۔ میرے ساتھ بہت ہل گیا ہے۔" رانی بتا رہی تھی۔

"رانی! یہ ابہتاج بھائی ثمینہ باجی کو اسکول چھوڑنے گئے ہیں کب تک واپس آئیں گے مجھے ان کے لیے ناشتہ بنانا ہے۔" مریم اس سے پوچھنے لگی۔

"ویں وہ تو آتے ہی ہوں گے۔ یہ جو لمبی سڑک آگے جا کر دائیں طرف مڑ جاتی ہے ادھر ہی تو اسکول ہے' جب وہ نہیں ہوتے تو لوگ پیدل چلے جاتے ہیں۔"

مریم نے بس آدھی بات سنی اور کچن کی طرف دوڑ لگا دی۔ جلدی جلدی پراٹھے کے لیے پیڑے بنائے۔

"باجی! گھی اندر زیادہ اور باہر کم لگانا اور پراٹھا زیادہ موٹا بھی نہ ہو ذرا ساختہ۔" رانی اسے ابہتاج کی پسند بتانے لگی۔

"ارے بس بھی کرو' جیسا مجھے بنانا آتا ہے' ویسا ہی بناؤں گی۔ تم جاؤ فریج سے قیمہ نکال کر لاؤ۔" مریم نے جھنجھلا کر کہا۔ تبھی باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ گھبراہٹ میں پہلا پراٹھا درمیان سے پھٹ گیا۔

"اف۔" وہ بری طرح جھنجھلا گئی۔ "چلو یہ تو میں کھالوں گی۔"

اس نے تیزی مگر احتیاط سے دوسرا پراٹھا بنایا۔ پراٹھے بن گئے سالن بھی گرم ہو گیا وہ کتنی دیر انتظار کرتی رہی مگر ابہتاج نہیں آئے۔ آخر وہ باہر نکلی۔

رانی کاریڈور صاف کر رہی تھی۔

"رانی! تم تو کہہ رہی تھیں' وہ جلد ہی آجاتے ہیں۔"

"کون باجی؟" وہ گیلے کپڑے کے ساتھ رگڑ رگڑ کر فرش صاف کر رہی تھی۔

"ابہتاج بھائی۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔"

"وہ تو ناشتہ کر بھی گئے آپا جی کی طرف۔" رانی نے بتایا تو مریم تپ کر رہ گئی۔ پیر پٹخ کر کچن میں آئی۔

"جن بھوت نہ ہوں تو۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے ناشتے کی چیزیں اٹھائیں اور بیڈ روم میں آگئی۔ ٹی۔وی آن کر کے مڑی تو عرفان آنکھیں کھولے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

مریم اسے دیکھ کر مسکرا دی تو جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔ بڑی بڑی روشن آنکھوں والا بہت خوبصورت بچہ تھا۔ مریم اسے اٹھانے کو جھکی تو کروٹ بدل کر اوندھے منہ لیٹ گیا اور مما مما چلانے لگا۔ رانی بھاگی آئی۔ "اٹھ گیا میرا بابو۔"

"مما۔" اس نے سوالیہ نظروں میں معصومیت سے پوچھا۔

"مما اسکول گئی۔" رانی بتایا۔

"بھائی۔" اس نے پھر پوچھا۔

"وہ بھی اسکول گئے۔" رانی نے کہا۔

"میں بھی جاؤں اب۔"

"میں اپنے راجہ کو لے کر جاؤں گی' پہلے منہ ہاتھ دھولو۔" رانی اسے اٹھا کر باتھ روم میں لے گئی۔ مریم وہیں بیڈ پر بیٹھ کر ٹی۔وی دیکھتے ہوئے ناشتہ کرنے لگی۔

. ☆ .. ☆ .*

"مریم! تم بی۔اے کی تیاری کیوں نہیں کرلیتیں؟" ثمینہ باجی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اسے یہاں آئے تین ہفتے ہو گئے تھے اور وہ جیسے یہاں کے ماحول میں رچ بس گئی تھی۔ یہاں کی خامیاں اور خوبیاں پوری طرح اس پر واضح ہو گئی تھیں۔ اس گھر کا ہر فرد آگے بڑھنے کی تگ و دو میں مگن تھا خواہ وہ افتخار بھائی ہوں یا ثمینہ باجی' رخسانہ باجی ہوں یا وجاہت بھائی۔ بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے انہوں نے اپنا حال تج دیا تھا۔ آپا جی ان پڑھ عورت تھیں اور سارا دن ثمینہ یا رخسانہ باجی کو دیکھ کر کڑھتی رہتیں۔ کبھی کبھار مریم ان کے ہتھے چڑھ جاتی تو وہ ساری دل کی بھڑاس اس کے سامنے نکال دیتیں اور مریم' طاہر کی ہدایت کے پیش نظر چپ چاپ جی' جی کرتی رہتی۔

"شوہروں پر بڑا رعب ہے بیویوں کی کمائی کا۔ اسی لیے بے چارے چوں بھی نہیں کرتے۔ اپنی مرضی کا کھاتی ہیں' مرضی کا پہنتی ہیں۔ کام کریں نہ کریں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اپنی اپنی نوکرانیاں ہیں۔ شوہر تو جیسے بے دام غلام ہیں۔ ادھر میرے میاں ہیں۔ میں مروں یا جیوں کوئی پروا نہیں۔ ہمیں تو ایسے گر بھی نہ آئے کہ اپنے میاں کو ہی قابو میں کرلیں۔" وہ مسلسل بولے جاتیں اور مریم حیران ہو کر سوچتی۔

"ایسا تو کچھ بھی نہیں جتنے اس گھر اور بچوں کی تعلیم کے خرچے ہیں اگر میاں بیوی مل کر کام نہ کریں تو کیسے چلے یہ گھر۔ اس نے تو یہی دیکھا تھا کہ رخسانہ ہوں یا ثمینہ اسکول' کالج سے آتے ہی کچن میں گھس جاتیں۔ اس کے بعد ان کا ایک ایک لمحہ بچوں اور شوہروں کے لیے وقف ہو جاتا۔ شوہر ایسے کہ پاس پڑے فریج سے پانی نکال کر نہ پی سکیں۔ کھانے میں ایک سے زیادہ ڈشیں نہ ہوں تو ہفتہ بھر منہ پھولا رہے۔ اور پھر تین تین بچے۔ یہاں تک کہ اسی چکر میں وہ گھن چکر بن جاتیں۔ اس عرصے میں وہ خود کہاں ہیں جیسے بھول ہی جاتی تھیں۔

"کہاں گم ہو۔ میں کہہ رہی ہوں تم۔بی۔اے کی تیاری کرلو۔"

ثمینہ باجی نے پھر سے کہا۔ کل رانی مشین لگا کر سارے کپڑے دھو گئی تھی۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ وہ افتخار بھائی اور بچوں کے ہفتے بھر کے کپڑے پریس کر رہی تھیں۔ مریم انہیں وارڈ روب میں ہینگ کرتی جا رہی تھی۔

"ہاں کرلوں گی۔" مریم نے لاپروائی سے کہا۔

"کرلوں گی نہیں۔ پکا ارادہ کرو تو میں تمہارے لیے کتابیں لیتی آؤں گی۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔" تب ہی ابہتاج' عرفان کی انگلی پکڑے آگئے۔

"سنبھالو اسے اب۔ بہت ٹائم ضائع کیا ہے اس نے میرا۔" کب سے وہ ان کے پاس کھیل رہا تھا' اب بھی ان کی انگلی نہیں چھوڑ رہا تھا۔

"عرفان جاؤ دیکھو۔ بھائی آنٹی کی طرف کھیل رہے ہیں۔" ثمینہ کہا۔

"مما! ادھر بلاّ ہے۔" عرفان ڈر کر اس سے لپٹ گیا۔

"مریم! جاؤ اسے ادھر چھوڑ آؤ۔ پتا نہیں کس نے ڈرا دیا ہے اسے۔" ثمینہ نے مریم سے کہا تو مریم اسے اٹھا کر باہر نکل گئی اتنے عرصے میں وہ مریم کے ساتھ اچھا خاصا گھل مل گیا تھا۔ بچے ادھر بھی نہیں تھے۔ فضا پڑھ رہی تھی اور رخسانہ کچن میں تھیں۔

"آپ ابھی تک فارغ نہیں ہوئیں باجی۔"

"ہو گئی ہوں۔" انہوں نے بریانی کو دم پر رکھا اور اس کے ساتھ باہر نکل آئیں۔

"کھانا تو کب کا بن گیا تھا۔ وجاہت کا دل بریانی کھانے کو چاہ رہا تھا۔"

"ایک تو آپ کے شوہروں کے دل وقت بے وقت کچھ نہ کچھ چاہنے لگتے ہیں۔" مریم نے منہ بنا کر کہا۔

"کرنا پڑتا ہے میری جان! کبھی محبت سے تو کبھی مجبوری سے۔"

"اچھی محبت اور مجبوری ہے۔"

"اچھا یہ دیکھو۔ میں کچھ سوٹ لائی تھی کل۔ کیسے ہیں؟" وہ اسے سوٹ دکھانے لگیں۔

نہایت نفیس کپڑا تھا ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت پرنٹ۔ ابھی وہ ڈھنگ سے دیکھ بھی نہ پائی تھی کہ عرفان نے رٹ لگادی۔

"بھائی کے پاس جانا ہے۔"

وہ اس کی انگلی تھام کر باغ کی طرف نکل آئی۔ جہاں سارے بچے طاہر کے ساتھ فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ابہتاج وہیں کاریڈور میں چھوٹی میز کرسی پر اسٹڈی میں مصروف تھے اور نجانے اس شور میں کیسے پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے ایک سرسری سی نگاہ مریم پر ڈالی اور مصروف ہو گئے۔ عرفان اس کی انگلی چھوڑ کر بچوں کی طرف بھاگ گیا۔ وہ پلٹنے لگی جب طاہر نے فٹ بال کو اس طرح کک لگائی کہ وہ سیدھا مریم کے کندھے سے ٹکرائی۔ مریم کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ چوٹ بھی خاصی آئی تھی۔ ابہتاج بھی بری طرح چونکے۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔" مریم شدید غصے سے چیخی۔

"بدتمیزی نہیں سزا ہے تمہاری۔" طاہر اس کے پاس آتے ہوئے اطمینان سے بولا۔ مریم نے غصے میں بال اٹھا کر اسے ماری جو اس نے کیچ کر کے بچوں کی طرف اچھال دی۔

"اب جا کہاں رہی ہو؟" طاہر ایک ہی جست میں اس کے سامنے آگیا۔

"تم نے مجھے بال کیوں ماری۔" وہ تپ کر بولی۔

"تم اتنے دنوں سے نظر جو نہیں آئی تھیں۔" وہ ستون پر ہاتھ ٹکا کر مزے سے بولا۔ مریم نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا۔

"یقین کرو فرینڈ! دو دن تمہاری شکل نظر نہ آئے تو میں اداس ہو جاتا ہوں۔" طاہر نے اپنی مجبوری بتائی۔

"ہونہہ۔" مریم غصے میں سر جھٹکتی اسے ایک طرف دھکا دے کر چلی گئی۔

"کہیں یہ سچ مچ ناراض تو نہیں ہو گئی بھائی؟" طاہر نے مڑ کر قدرے پریشانی سے ابہتاج سے پوچھا' وہ جو بے خیالی میں سر اٹھائے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ مجھے کیا معلوم کہہ کر کتاب پر نظریں جما گئے۔

. ☆ .. ☆ .*

کتنی اداسی اور ویرانی چھائی رہتی ہے۔ اس حصے میں۔" وہ ستون سے ٹیک لگائے کاریڈور میں بکھرے سوکھے پھولوں کو دیکھ رہی تھی جو رانی کی جھاڑو کی حرکت سے اڑ کر ایک طرف چلے جاتے۔ رانی کے انداز میں بے زاری ہی بے زاری تھی۔ مریم نے کئی بار اس سے کہا تھا کہ وہ یہاں سے بھی صاف کر دیا کرے۔ مگر وہ سنی ان سنی کر جاتی۔ آج مریم نے ثمینہ باجی سے کہلوایا تھا تبھی مارے باندھے اس نے سارے سوکھے پھولوں اور پتوں کو اکٹھا کر کے باغ کے

ایک کونے میں آگ لگادی تھی۔ مریم اس کے انداز پر جھنجلا رہی تھی۔

"اچھا جاؤ اب عرفان کو دیکھو۔" رانی فوراً" جھاڑو پھینک کر بھاگی۔ مریم کو غصہ آگیا۔

"ظاہر ہے میری کیا اوقات اس کی نظر میں' باجی کے سامنے کیسے بھیگی بلی بنی رہتی ہے۔ بھاڑ میں جاؤ۔ میں خود نہیں کر سکتی۔ ساری عمر خود ہی کیا ہے' میرے گھر کون سی نوکرانیاں تھیں۔ اس نے پائپ لگایا اور جھاڑو پکڑ کر رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی۔ ستون' دروازے اور دیواریں تک دھو ڈالیں۔ گملوں سے سوکھے پودے اکھاڑ پھینکے۔ پودوں کو پانی دیا اور فرش پر وائپر پھیر کر جب تنقیدی نگاہ ڈالی تو بے اختیار خود کو شاباش دے ڈالی۔ سارا پورشن نکھر کر ٹھنڈک کا احساس دلا دیا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر پائپ کا رخ باغ کی طرف کر دیا۔

"ان پودوں کو تو بس بارش ہی دھوتی ہوگی۔"

"اوئے یہ آگ اور پانی کا ملاپ۔" دوسری طرف سے طاہر کی حیرت بھری آواز آئی۔ پھر فوراً" ہی اس کا چہرہ دیوار پر سے نمودار ہوا۔

"میرا مطلب ہے' یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے۔"

اس نے جلتے ہوئے سوکھے پتوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ لیموں کے پیڑ پر پھوار ڈالتی رہی۔ طاہر نے فائل دیوار پر رکھی اور اس پر کہنی ٹکا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں خود کو ہلکان کرتی ہو مریم! یہاں کوئی تمہاری محنت کو نہیں سراہے گا۔" طاہر کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔ مریم پائپ نیچے پھینک کر اس کی طرف مڑی۔

"میں یہ کسی دوسرے کے لیے نہیں کرتی۔ اپنے لیے کرتی ہوں' تم کیوں جلتے ہو؟"

"تو یہ اچھا ہے' وہ کیا کہتے ہیں۔ نیکی برباد گناہ لازم۔"

"کہتے ہوں گے۔" مریم نے بے نیازی سے کہا اور پائپ کی طرف متوجہ ہوئی پھر فوراً" ہی اس کی طرف مڑی۔

"طاہر! اگر یہاں پھولوں کی کیاریاں بنا دی جائیں تو کتنا اچھا لگے ناں طاہر! تم مجھے بیج لا دو گے۔" طاہر ہنسنے لگا۔

"پڑ گیا نا کام مجھ سے۔" مریم بھی ہنس دی۔

"تم سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔"

وہ مان بھرے لہجے میں بولی۔ ابہتاج ٹھٹک سا گیا۔ صاف ستھرا نکھرا نکھرا سا سماں تھا۔ اور ابا جی تو شاید بہت عرصے کے بعد دیکھ رہے تھے ورنہ جب بھی آتے خزاں زدہ سا موسم سامنے ہوتا۔ ابہتاج کی نگاہ بھٹک کر اس کی طرف گئی۔ انہیں یقین سا تھا کہ یہ کام اس کے سوا اور کسی کا نہیں اور تصدیق بھی ہو گئی۔ پانی کا پائپ ہاتھ میں پکڑے آم کے درختوں کو بھگوتی طاہر سے باتوں میں مگن تھی۔ ڈارک براؤن بالوں کی لمبی سی چوٹی کمر پر جھول رہی تھی۔ دوپٹہ بے نیازی سے کندھے پر پڑا تھا۔ وہی سادہ' عام گھریلو سا حلیہ تھا۔

"یہ کون ہے ابہتاج۔" ابا جی نے پوچھا۔

"ثمینہ کی دور پار کی رشتے دار ہے' مریم! اب یہیں رہتی ہے۔" انہوں نے بتایا تب ہی طاہر کی نگاہ ان پر پڑی۔

"ارے ابا جی آگئے۔" وہ فوراً" ہی دیوار پھلانگ کر اس طرف تھا۔ مریم نے پلٹ کر دیکھا' فوراً" پائپ چھوڑ کر دوپٹہ پھیلانے لگی۔

"آؤ ناں، تمہیں بھی ابا جی سے ملواؤں۔" طاہر نے کہا تو وہ بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان تک آگئی۔

"اس بار آپ نے بہت دن لگا دیئے ابا جی۔" طاہر ان سے ملتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ابا جی نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ پھر مریم کی طرف پلٹے۔

"مریم بیٹی! تمہارا کیا حال ہے۔"

"ابا جی! آپ کو کیسے پتا چلا۔ اس کا نام مریم ہے۔" طاہر حیرت سے بولا۔

"بیٹیوں کے نام خود بخود معلوم ہو جاتے ہیں۔" انہوں نے مریم کے سر پر ہاتھ رکھا' نجانے کیوں مریم کا دل بھر آیا۔

”پھر تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ آپ کے باغ سے کتنی محبت کرتی ہے۔“ طاہر نے شرارت سے کہا۔

”ہاں معلوم ہوگیا ہے۔“ انہوں نے درختوں سے ٹپکتے پانی کے قطروں کو اور بیلوں پر مسکراتے سرخ، سفید اور آتشی گلابی پھولوں کو دیکھا۔ پھر وہ تینوں اندر کی طرف بڑھ گئے۔ جبکہ مریم کے دل میں اداسی کی کائی جمنے لگی۔ باہر کا سماں کیسا نکھرا نکھرا سا تھا لیکن۔

اندر..... اس نے اپنے دل میں جھانکا۔
کیسی گہری چپ تھی۔
کتنا دھندلا منظر

وہ بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھ گئی۔ اسے اماں، ابا یاد آرہے تھے۔

. ☆ .. ☆ .*

ابا جی سب کے درمیان گھرے تھے۔ سارے بچے ان کے اردگرد تھے۔ عرفان سب سے چھوٹا ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی گود میں سوار تھا۔ طاہر بھی وہیں تھا۔ طاہر بس ان ہی دنوں یہاں نظر آتا جب ابا جی ہوتے کیونکہ ان کی موجودگی میں کسی کی جرات نہیں تھی کہ طاہر سے برا رویہ رکھتا ورنہ عام دنوں میں سب کا رویہ سوائے ابتہاج، ثمینہ، رخسانہ اور بچوں کے جو سب سے بلا تفریق محبت کرتے تھے۔ باقیوں کا رویہ خاصا روکھا سا ہوتا۔ تب ہی طاہر اس طرف کم ہی آتا تھا۔

”ابا جی! بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ ایف۔ اے کیا ہے اس نے۔“ ابا جی شاید مریم کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ثمینہ نے اس کے سارے حالات بتانے کے بعد آخر میں کہا تھا۔ مریم ان کے کہنے پر ابا جی کے لیے صندل کا شربت بنا کر لارہی تھی۔

”مجھے تو اس کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ عجیب لڑکی ہے نہ ماں کی فکر نہ باپ کی۔ سارا دن بس ادھر سے ادھر۔ کدکڑے لگاتی رہتی ہے، ہمارے جیسا ہو تو اسی غم میں آدھا ہو جائے۔“

یہ آپا جی تھیں، اس کے منہ پر اس کی ڈھیروں تعریفیں کرنے والی۔ مریم کے قدم لڑکھڑا سے گئے۔ ہاتھوں میں لرزش کچھ اس طرح اتری کہ ٹرے میں دھرے گلاس اور جگ آپس میں ٹکرا گئے۔ طاہر نے ایک دم آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔ وہ تیزی سے واپس پلٹ گئی۔

ابتہاج نے شام کے دھندلکے میں ایک ستارہ ٹوٹ کر بکھرتے دیکھا۔ تو ایک خاموش و سرد سی نگاہ آپا جی پر ڈال کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ گلاس میں شربت انڈیلتے طاہر نے پلٹ کر ثمینہ کے پورشن کی طرف دیکھا۔ اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر جائے اور اس لڑکی کو رونے نہ دے یا کوئی ایسی بات کہہ دے کہ وہ سب بھول کر مسکرا دے۔

لیکن وہ بے بس سا گلاس میں شربت ڈال کر ابا جی کو دینے لگا۔ جاتا بھی تو جیسے کوئی رشتہ بھی تو نہ تھا ان کے درمیان سوائے اس دوستی کے پاکیزہ سے جذبے کے سوا۔ جس کی ان سب کی نظر میں نہ کوئی حیثیت تھی اور نہ وقعت۔

. ☆ .. ☆ .*

”گھر ٹوٹ جائیں تو انسان بکھر کر رہ جاتا ہے ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اپنے گھر کا مان کیا ہوتا ہے یہ تو بس وہی جان سکتا ہے جو دوسروں کے در پر پڑا ہو، میں بھی ٹوٹ چکی ہوں طاہر! بالکل بکھر گئی ہوں۔ لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ میں دکھ کا لیبل اپنے ماتھے پر چپکا کر سب سے ہمدردیاں بٹورتی پھروں۔“

دونوں ہاتھ گود میں دھرے وہ بہت دکھ، غصے اور بے بسی سے بول رہی تھی۔ طاہر نے ایک خاموش سی نگاہ اس پر ڈالی اس کی سیاہ آنکھوں میں گہری سنجیدگی کی لہر ابھر آئی تھی۔

”ہوا کیا تھا مریم؟“

”کیا ہوا تھا۔“ مریم نے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر ان پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے ایک غیر مرئی نقطے پر نظریں جمادیں۔

بات تو معمولی سی تھی یا شاید اتنی معمولی بھی نہ تھی وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اس کے بعد اماں

کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے شعور نے آنکھ کھولی تو گھر میں ہمیشہ لڑائی جھگڑا ہی دیکھا، اسی سے بچنے کے لیے وہ سارا دن گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ اماں اپنے والدین کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھیں اور ابا کا مزاج حاکمانہ، ہمہ وقت تصادم ہوتا رہتا۔ جس دن اماں کو خبر ہوئی کہ ابا دوسری شادی کررہے ہیں، انہوں نے تو جیسے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اماں کی زبان چلی تو ابا کے ہاتھ کھل گئے۔ وہ اپنے کمرے میں دبکی رہی۔ اور پتا بھی نہ چلا کب ابا کے منہ سے تین لفظ نکلے اور ساری کہانی ہی ختم ہوگئی۔ اماں نے آکر اسے پیٹ ڈالا۔

”یہ سب تیری وجہ سے ہوا ہے، صرف تیری وجہ سے۔ ہائے تیری جگہ کوئی بیٹا ہوتا تو آج میں رسوا نہ ہوتی۔“

اماں روتی چلاتی رہیں اور اسے مارتی رہیں اور مریم نے چپ چاپ ساری مار سہہ لی اور کتنی دیر کے بعد اماں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

”اٹھ مریم! اب چل یہاں سے۔ اس گھر میں اب دوسری عورت آئے گی میرا یہاں کیا کام۔“

ابا جیسے تیر کی طرح اندر آئے۔

”مریم کہیں نہیں جارہی۔ وہ یہیں رہے گی۔“

”کیوں مریم کیسے یہاں رہے گی، وہ میری بیٹی ہے۔“ اماں تڑخ کر بولیں۔

”بکواس بند کرو۔ مریم یہیں رہے گی میرے پاس۔“ وہ دونوں آپس میں لڑنے لگے۔ مریم نے ایک نظر روتی سسکتی۔ بین کرتی، ابا کو کوسنے دیتی اماں پر ڈالی تو اسے اماں پر ترس آگیا۔ اس نے خاموشی سے بیگ میں اپنے اور اماں کے کپڑے رکھنے شروع کردیئے۔

”مریم۔“ ابا نے تحیر سے پکارا۔

”ہاں ابا! میں اماں کے ساتھ جاؤں گی۔“ اس نے مضبوط لہجے میں پلٹ کر کہا۔

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ کوئی ٹھکانا نہیں تمہاری ماں کے پاس۔ تمہیں کہاں لے جائے گی۔“ ابا غضب ناک لہجے میں بولے۔

”نہیں بے ٹھکانا بھی تو آپ ہی نے کیا ہے ابا۔“

پھر ابا نے تایا، پھوپھی سب نے اسے سمجھایا۔ مگر اس کا دل اماں کو اکیلے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اور یہ بھی نہ سوچا کہ اماں اسے لے کر کہاں جائیں گی۔ اماں اسے لے کر اپنی رشتے کی بہن کے گھر چلی گئیں۔

مگر وہ کب تک انہیں رکھتیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا۔ اس مہنگائی کے دور میں تو اپنا پیٹ پالنا مشکل تھا۔ پرایا بوجھ کون اٹھاتا اور پھر کب تک۔ اماں تھکنے سی لگیں۔

”مریم! تو اپنے باپ کے پاس چلی جا۔“ آخر انہوں نے کہہ ہی دیا۔ مریم بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ اسے احساس تھا کہ اماں پچھتا رہی ہیں۔ کاش وہ چپ کر جاتیں۔ کرلیتے ابا دوسری شادی۔ ایسا انوکھا تو نہ ہوتا اور نہ وہ اس دنیا کی واحد عورت تھیں جن کا شوہر دوسری شادی کررہا تھا۔ مگر اس نے کبھی اماں کو جتایا نہ تھا۔ وہ ابا کی طرف سے زیادہ بدگمان تھی وہ چپ ہو جاتے۔ اماں نے طلاق تو نہ مانگی تھی۔ بے بس عورت آخر کب تک چیختی چلاتی اسے چپ ہی ہونا تھا۔ مگر ابا جیسے منتظر تھے، ادھر اماں نے گھر چھوڑا۔ ادھر انہوں نے دوسری شادی کرلی۔ وہ ایک بار پلٹ کر دیکھتے تو سہی کہ مریم کہاں ہے مگر انہیں تو جیسے پروا ہی نہ تھی تو اب وہ کیسے چلی جاتی۔ وہ تو جیسے بھول ہی گئے تھے کہ ان کی ایک بیٹی بھی تھی۔ اور اب وہ یہاں تھی۔

”یہ دکھ میرا اپنا ہے، صرف میرا ہے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں کہ میں اس دکھ کو اشتہار بنا کر جگہ جگہ دیواروں پر چسپاں کردوں کہ دیکھو مجھ پر یہ ظلم ہوا ہے۔ میری ماں در در بھٹکتی پھر رہی ہے۔ میں بے نام و نشاں ہو کر رہ گئی ہوں اور میرا باپ۔“

مریم کا گلا رندھ گیا۔

”وہ کمزور لوگ ہوتے ہیں مریم بیٹی! جو ایسا چاہتے یا کرتے ہیں۔“ ابا جی کی آواز پر وہ دونوں چونک گئے۔ مریم نے تیزی سے اپنے بہتے آنسو صاف کر ڈالے۔ وہ نجانے کب سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

”تمہیں دیکھتے ہی مجھے احساس ہوگیا تھا کہ تم بہت ضبط والی بچی ہو۔ مریم! جو لوگ اپنے دکھ چھپانا جانتے

ہیں، وہ بہت بہادر ہوتے ہیں۔ خدا کرے تمہاری ساری مشکلیں آسان ہو جائیں۔"
انہوں نے مریم کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ کر دعا دی۔
"مجھے صرف دعاؤں کی ضرورت ہے ابا جی۔" مریم نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

.☆..☆.*

"عجیب جنونی لڑکی ہے۔ ایک بار جو ٹھان لے بس کر کے رہتی ہے۔"
طاہر نے ابتہاج کے قریب کرسی کھینچتے ہوئے کہا تو ابتہاج نے اخبار ایک طرف کرتے ہوئے باغ میں ہوتے ہنگامے کو دیکھا۔ چھٹی کا دن تھا اور مریم سارے بچوں کو ساتھ ملائے کیاریاں بنانے میں مصروف تھی۔ بچوں کا جوش و خروش عروج پر تھا۔
"آج مریم کی شامت آئے گی جب ان کی ماؤں کو معلوم ہوگا کہ ان کے بچوں سے کیا کام کروایا جا رہا ہے۔" طاہر نے کہا۔
"تم اسلم صاحب کے مالی سے بات کر لیتے۔ وہ بنا جاتا کیاریاں۔" ابتہاج نے سنڈے میگزین اٹھاتے ہوئے کہا۔
"مریم کو ایسے کام اچھے لگتے ہیں اور میں بھی چاہتا ہوں وہ مصروف رہے۔" ابتہاج نے اخبار سے نظریں ہٹا کر دیکھا وہ مریم کو دیکھ رہا تھا۔ تبھی مریم ہاتھ میں تھیلی پکڑے ان دونوں کے پاس چلی آئی۔
"کتنے بے مروت ہو، ذرا ہاتھ نہیں بٹا سکتے۔" مریم نے طاہر کو لتاڑا۔ ابتہاج نے اخبار کی اوٹ سے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کے پاس بس چند ہی جوڑے تھے۔ آج بھی وہ سرخ اور سفید پرنٹڈ لان کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی آگے پڑی تھی۔ کئی لٹیں نکل کر سادہ سے چہرے کا احاطہ کیے تھیں۔
"ڈیئر فرینڈ! میں بے مروت ہی اچھا ورنہ یہ سارے اوٹ پٹانگ کام کرنے پڑتے۔" طاہر نے منہ بنا کر کہا۔
"یہ اوٹ پٹانگ کام ہیں؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔
"بالکل۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔
"ہاں بندر کیا جانے ادرک کا مزا۔" وہ گہرے طنز سے بولی۔ ابتہاج کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی۔ جبکہ طاہر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
"کیا تم نے مجھے بندر کہا؟" وہ اس کی چوٹی کھینچتے ہوئے بولا۔
"بال چھوڑو میرے۔" مریم چیخی۔ "میں نے بس محاورہ بولا ہے 'اب چور کی ڈاڑھی میں تنکا ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"
"ہونہہ!" طاہر اس کے بال چھوڑ کر قدرے خفگی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔
"دیکھو تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ مجھ سے لڑو گے نہیں۔" مریم نے اسے پہلے دن والا وعدہ یاد دلایا۔
"میں تمہیں خاصی معصوم لڑکی سمجھتا تھا۔" طاہر نے جل کر کہا۔
"اچھا چھوڑو ناں لڑائی۔" مریم نے نرمی سے کہا "یہ بتاؤ، یہ کس چیز کے بیج ہیں۔" مریم نے تھیلی اس کی طرف بڑھائی۔
"پھولوں ہی کے ہوں گے۔" طاہر کے لہجے میں خفگی ہنوز باقی تھی۔
"لیکن یہ تو کئی قسم کے ہیں۔"
"کئی قسم کے ہیں تو کیا ہوا۔ پھول پتے ہی نکلیں گے نا۔"
"ہاں چاہے یہ کدو۔ توریوں کے بیج ہوں۔" مریم نے چڑ کر کہا۔
"تو کیا، حرج ہے سارے گھروں کو سبزی سپلائی کرنا۔" وہ مزے سے بولا۔
"بھاڑ میں جاؤ تم۔" مریم پیر پٹخ کر چلی گئی۔
"جا رہا ہوں۔" طاہر بھی کھڑا ہو گیا اور پھر دانستہ کیاری میں سے گزرتا ہوا دیوار پھلانگ گیا جبکہ مریم کو اس کے بچوں کی طرح غصے کے اظہار پر ہنسی آ گئی۔
آنٹی! ان میں سے پودے کب نکلیں گے؟؟ رومان پوچھنے لگا۔
"پتا نہیں شاید دس پندرہ دن لگ ہی جائیں گے۔" وہ بیج کو مٹی میں دباتے ہوئے بولی۔

"میں بھی لوں دا۔" عرفان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس تک آ کر ضد کرنے لگا۔ مریم نے دو تین بیج اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔ جب پانی دینے کا وقت آیا تو سارے کے سارے بچے پانی دینے کو تیار تھے۔

"پانی آج نہیں دینا۔ کل دیں گے۔" مریم نے انہیں ٹالا ورنہ وہ ستیاناس کر دیتے ساری محنت کا۔

"اب تم لوگ جاؤ نہاؤ جا کر۔ میں بھی آتی ہوں۔" مریم نے انہیں بڑی مشکل سے ٹرخایا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے پانی دے کر آخری جائزہ لیا پھر مطمئن ہو کر پلٹ گئی۔

"مریم۔" ابہتاج نے اسے پکارا وہ رک گئی۔

"یہ اخبار لیتی جاؤ۔"

"جی اچھا۔" مریم نے قریب آ کر اخبار پکڑنا چاہا، ابہتاج نے اخبار پیچھے کرتے ہوئے ایک نظر اس کے ہاتھوں پر ڈالی۔ ہاتھوں میں مٹی لگی تھی۔ مریم جل سی ہو کر دونوں ہاتھ جھاڑنے لگی تبھی اس کی نگاہ بھٹک کر گیٹ کر چلی گئی۔

"اماں۔" اس کے لبوں نے بے آواز صدا دی تھی اور دوسرے لمحے وہ سرپٹ بھاگتی ان سے لپٹ گئی تھی۔

"مریم! میری بیٹی۔" اماں اسے سینے سے لگا کر سسک اٹھی تھیں۔

"کہاں تھیں اماں آپ۔ اتنے دن لگا دیئے۔ کتنا انتظار کیا تھا میں نے آپ کا۔ آپ نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی۔" وہ بھیگی آواز میں ایک ہی سانس میں پوچھتی چلی گئی۔

"تم ٹھیک تو ہو مریم۔" اماں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بہت کمزور لگ رہی ہیں۔"

"نہیں تو، تمہیں لگتا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"مریم! اماں کو اندر لے چلو۔" ابہتاج ان کے قریب آ گئے تھے۔ مریم چونک کر اماں سے الگ ہو گئی اور بڑے جوش سے اماں کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"ابہتاج بھائی! یہ میری اماں ہیں۔" اس کی بھیگتی آنکھوں میں خوشی کا رنگ بہت گہرا تھا۔ اسی خوشی کے زیر اثر اس نے پہلی بار ابہتاج کو براہ راست مخاطب کیا تھا۔

"السلام وعلیکم!" ابہتاج نے کہا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو بیٹا۔" اماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"چلیں اماں! اندر۔" ابہتاج اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئے جبکہ وہ اماں کا ہاتھ پکڑ کر ثمینہ کے پورشن میں لے آئی۔

"ارے خالہ! آپ۔" ثمینہ عرفان کو نہلا کر کپڑے بدلوا رہی تھیں، بہت خوشدلی سے ملیں۔

"بہت دنوں سے سوچ رہی تھی، مریم سے مل آؤں گی مگر بس....." اماں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ مریم بھی ان کے پاس ٹک گئی۔

"تم کہاں بیٹھ گئیں جاؤ پہلے اماں کے لیے کولڈ ڈرنک لے آؤ۔" ثمینہ نے کہا تو وہ فوراً کچن کی طرف بھاگی۔ اماں کے آنے کی خوشی اس کے پورے وجود میں بجلی کی طرح دوڑ گئی تھی۔ ثمینہ اماں سے چھوٹی چھوٹی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

"مریم تمہیں تنگ تو نہیں کرتی بیٹی۔" اماں اس کے ہاتھ سے شربت کا گلاس لیتے ہوئے ثمینہ سے پوچھنے لگیں۔

"ارے نہیں خالہ! اس نے تو میرا آدھا بوجھ کم کر دیا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مریم بے چین ہو رہی تھی اماں سے تنہائی میں باتیں کرنے کو۔ ثمینہ بھی اس کی بے چینی بھانپ گئیں۔

"مریم! تم خالہ کو اپنے بیڈ روم میں لے جاؤ۔ میں تب تک دوپہر کا کھانا بنا لوں۔ بچوں کو ادھر بھیج دو۔ انہیں ہوم ورک کروا دوں۔" ثمینہ نے کہا تو وہ اماں کو لے کر دوسرے بیڈ روم میں آ گئی۔

"اماں! آپ لیٹ جائیں۔ تھک گئی ہوں گی۔" مریم نے تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب تو واقعی تھک گئی ہوں۔" اماں کے لہجے کی تھکن مریم کے وجود میں اتر آئی۔ اس کے ہاتھ

آہستگی سے اماں کے پیروں پر رک گئے۔

"اماں! آپ کہاں رہ رہی ہیں اب۔" مریم نے ان کے پاؤں دباتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے افتخار ماموں کے ہاں۔" اماں نے مختصراً کہا۔ مریم خاموشی سے ان کے پاؤں دباتی رہی۔ کتنی کمزور ہو گئی تھیں اماں۔ آدھی بھی نہ رہی تھیں۔ مریم کا دل بھر آیا۔

"تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں مریم؟" اماں نے غور سے اس کا چہرہ کھوجا۔

"نہیں اماں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ثمینہ باجی بہت خیال رکھتی ہیں میرا۔" وہ سر جھکا کر بولی۔

"مگر اماں! اماں وہ اپنے گھر کا مان۔ اماں! ایسا کیوں ہو گیا۔" وہ اچانک ہی سسک اٹھی، اماں گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگیں۔ اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا اور وہ تو جیسے ترس گئی تھی اس لمس کو۔ دونوں ماں بیٹی آنسوؤں کی زبان میں اپنے دکھ سنانے لگیں۔

"سب میری وجہ سے ہوا بیٹی! میں نے اپنے ساتھ ساتھ تجھے بھی بے گھر کر دیا۔" اماں کے آنسو رکنے میں نہ آ رہے تھے۔

"ایسا مت کہیں اماں! آپ نے کچھ غلط نہیں کیا تھا، بس ابا کو بہت جلدی تھی۔" مریم نے تڑپ کر کہا۔

"مریم!" اماں نے کتنی دیر بعد اسے پکارا۔

"جی اماں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تم اپنے باپ کے پاس چلی جاؤ۔ میں نے بہت بڑی غلطی کی جو تمہیں اپنے ساتھ لے آئی۔ یوں در در کی ٹھوکریں کھانے سے بہتر ہے اپنے گھر کی چھت کتنی ہی خستہ حال ہو تحفظ کا احساس دیتی ہے۔"

"جب چھت ہی سر پر آ رہے تو کیسا تحفظ اماں۔" مریم نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"اماں! سچ سچ بتائیں کیا ابا نے کبھی پوچھا۔ مریم کہاں ہے۔" اس نے بڑے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔ اماں چپ کی چپ رہ گئیں۔ کیا بتاتیں کہ وہ تو دوسری شادی کے بعد جیسے سب کچھ بھول گئے تھے۔ اماں ایک بار گئی تھیں صرف مریم کے لیے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ان کا اب اماں اور ان کی بیٹی سے کوئی واسطہ نہیں۔ مریم نے ان کے چہرے پر بچھی تھکن کی تہوں میں سب کچھ پڑھ لیا تھا۔ اور اب اپنے اندر اترتی اداسی و بے بسی کی گہری دھند سے نکلنے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"اماں! میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔"

شام ہوتے ہی اماں جانے کو تیار تھیں اور وہ ان سے کہہ بھی نہ سکی کہ اماں کچھ دن رک جائیں۔ ثمینہ باجی نے کافی اصرار کیا۔

"آپ کو دیکھ کر مریم بہت خوش ہوئی ہے خالہ! ایک دو دن ٹھہر جائیں۔" مگر اماں نہیں مانیں۔ جاتے ہوئے انہوں نے کچھ پیسے اس کی مٹھی میں دے دیئے۔

"یہ کیا اماں؟"

"میں نے سلائی شروع کر دی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے بتایا۔

"آپ رکھیں اماں! مجھے ضرورت نہیں ہے۔" مریم نے واپس کرنے چاہے مگر اماں نے نہیں لیے۔

"ضرورت پڑ جاتی ہے بیٹی۔" وہ انہیں رخصت کرنے گیٹ تک آئی تھی۔ اماں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اپنے ساتھ لپٹا لیا تو وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر ان کے لمس، ان کے وجود کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتی رہی۔

"خدا تمہارا نگہبان ہو مریم۔" انہوں نے نم پلکوں سے جاتے ہوئے دعا دی۔ مریم کے اندر کہیں ساون برسنے لگا۔ سنسان لمبی تپتی سڑک پر اماں تنہا تھیں، بالکل تنہا۔ ان کے قدم جیسے گھسٹ گھسٹ کر چل رہے تھے۔ مریم سڑک کے کنارے تک آ گئی۔ دونوں انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر وہ ضبط کی آخری حدوں پر تھی۔

"اماں۔" اس نے سسکی لی۔

"اماں! خدا کے لیے مت جاؤ۔" اس کی نگاہیں اماں کے قدموں سے لپٹ لپٹ کر پلٹ رہی تھیں۔ سینے میں دھڑکتا دل جیسے مچل رہا تھا تڑپ رہا تھا۔ رو رہا تھا۔

"اماں! مت جاؤ یا مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

اماں! تم تنہا ہو۔ کیسے رہو گی اکیلی۔ تم تھک جاؤ گی تو کون تمہارے پیر دابے گا۔ تمہارے سر میں درد ہو گا تو کون سر میں تیل ڈالے گا اماں! تم چھپ چھپ کر روتی ہو گی تو کون تمہارے دکھ بانٹے گا۔ اماں خدا کے لیے رک جاؤ۔" وہ بے آواز رو رہی تھی۔ سسک رہی تھی۔ گاڑی کے ٹائر اس کے قریب چرچرائے۔

"تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟" ابہتاج نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا۔ مریم کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ ابہتاج نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

"تم اندر چلو۔" کہہ کر گاڑی آگے بڑھا لے گئے۔

"آیئے ماں جی! میں چھوڑ آتا ہوں۔" انہوں نے اماں کے پاس جا کر گاڑی روکی اور فرنٹ ڈور کھول دیا۔

"نہیں بیٹا! میں چلی جاؤں گی بس اسٹینڈ زیادہ دور نہیں۔" انہوں نے رسان سے منع کیا۔

"بیٹھیے ماں جی! گرمی بہت زیادہ ہے' میں چھوڑ آتا ہوں۔" ابہتاج نے اصرار کیا تو اماں بیٹھ گئیں۔ گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے گیٹ تک آئی۔

کاش ایسا نہ ہوتا۔ کاش اس لمحے کو کوئی روک لیتا۔ ہائے وقت نے یہ کیسا کھیل کھیلا ہے۔" وہ کراہ کر رہ گئی۔

. ☆ .. ☆ .*

اماں کے جانے کے بعد وہ کتنے دن چپ چپ سی رہی تھی۔ دل بہت اداس تھا اور کتنے دنوں سے طاہر بھی نہیں آیا تھا۔ صبح کے یہ لمحات اسے کچھ اور تنہا کر دیتے تھے۔ کام نبٹا کر وہ باغ میں نکل آئی۔ کچھ سوچ کر اس نے امرود کے پیڑ پر چڑھ کر دوسری طرف جھانکا۔ طاہر سفید ٹراؤزر اور سفید ٹی شرٹ میں ایکسر سائز میں مصروف تھا۔

"تو تم موجود ہو۔" مریم نے دونوں کہنیاں دیوار پر ٹکائیں۔ طاہر چونکا پھر اطمینان سے بولا۔

"مجھے کہاں جانا ہے۔"

"تم غائب جو تھے اتنے دنوں سے۔" مریم پہلی بار ادھر دیکھ رہی تھی۔ سرسبز لان میں رنگ برنگے پھول کھلے تھے۔

"تو تمہیں احساس ہو گیا۔" وہ ایکسر سائز ادھوری چھوڑ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"کیوں بھئی خفا ہو؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"اللہ رے معصومیت۔" طاہر جل کر بولا۔

"ایک تو تم بغیر بتائے ناراض ہو جاتے ہو۔"

"آئندہ تمہیں بتا کر ناراض ہوا کروں گا۔" وہ کہہ کر اندر کی طرف چل دیا۔

"کہاں جا رہے ہو' ادھر تو آؤ۔" مریم چیخی۔

"مریم بی بی۔" وہ واپس پلٹا۔ "میں تمہیں شکل سے بے وقوف نظر آتا ہوں مگر ہوں نہیں۔"

"کیا مطلب اس بات کا؟"

"کتنے دن ہو گئے تمہیں ادھر آئے۔ تم نے ایک بار بھی ہماری طرف جھانکا۔ غضب خدا کا' میں پاگل ہوں جو ہر بار چلا آتا ہوں۔" وہ قدرے ناراضگی سے بولا۔

"غصہ کیوں کرتے ہو۔ میں آؤں گی نا کسی روز۔" مریم کو معلوم تھا کہ گھر میں صرف طاہر کی امی ہوتی ہیں۔

"رہنے دو۔ تم آچکیں۔" وہ طنزاً کہہ کر پلٹا۔

"اچھا سنو تو۔" مریم نے ایک لمحے کو سوچا۔ "آنٹی گھر پر ہیں۔"

"ہاں ہیں۔" طاہر نے کہا۔

"اچھا۔ میں آتی ہوں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ طاہر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"آؤ۔ میں گیٹ کھولتا ہوں۔" وہ گیٹ کی طرف چلا گیا۔ مریم نے مڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ اب اتنا لمبا چکر کون لگائے۔" اس نے اکتاہٹ سے سوچا پھر امرود کی اگلی ٹہنی پر قدم رکھ کر دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئی۔ طاہر گیٹ کھول کر پلٹا تو ٹھٹک گیا۔

"اچھا تو تم یہ کام بھی کر لیتی ہو۔" طاہر نے حیرت سے کہا۔

"میں اور بھی بہت کچھ کر لیتی ہوں۔" وہ اطمینان سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولی۔

"طاہر! کون ہے؟" اندر سے خاتون کی آواز ہوئی۔

"آؤ میرے ساتھ۔" طاہر اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔

"امی! ذرا پہچانیں تو کون آیا ہے۔" طاہر نے کہا تو وہیل چیئر پر بیٹھی شفیق سی خاتون نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مجھے پہچاننے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے لہجے کی خوشی بتا رہی ہے کہ یہ مریم ہے۔" انہوں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ جبکہ مریم ہکا بکا کبھی انہیں تو کبھی طاہر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی امی معذور ہوں گی۔ طاہر نے تو کبھی نہیں بتایا تھا۔

"میرے پاس آؤ بیٹی! یہاں بیٹھو۔" انہوں نے پیار سے پکارا۔ مریم اپنی حیرت پر قابو پاتی ان کے پاس پڑی کرسی پر ٹک گئی۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

"ماشاءاللہ بہت پیاری ہے۔" مریم جھینپ گئی۔

"نہیں' بس گزارا ہے۔" طاہر ان کی وہیل چیئر کی بیک پر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے شریر سے لہجے میں بولا۔ مریم بس اسے گھور کر رہ گئی۔

"بری بات طاہر۔" انہوں نے خفگی سے کہا۔ "بیٹا! تم اطمینان سے بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کچھ لاتی ہوں۔" مریم انہیں منع کرنے والی تھی کہ طاہر بول اٹھا۔

"امی! مریم آپ سے ملنے آئی ہے۔ آپ بیٹھیں اس کے پاس۔ میں کچھ لاتا ہوں۔"

انہوں نے تائید میں سر ہلایا تو طاہر گنگناتا ہوا کچن میں چلا گیا۔ طاہر کی امی مریم سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ شاید طاہر انہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا چکا تھا۔ تبھی انہوں نے مریم کی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ بس اس کی پسند ناپسند اور دلچسپیوں کے بارے میں پوچھتی رہیں اور طاہر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہیں۔ مریم بہت دلچسپی سے سب سن رہی تھی۔

"طاہر تو کئی دنوں سے کہہ رہا تھا کہ تمہیں لائے گا۔ میں بھی روز انتظار کرتی تھی۔" انہوں نے کہا تو مریم شرمندہ سی ہو گئی۔

"میں نے کئی بار کہا کہ تمہیں باقاعدہ انوائیٹ کرے مگر ہر بار کہنے لگا' میں بھی تو بن بلائے جاتا ہوں۔"

"بس آنٹی! یہ ہے ہی بہت کنجوس۔" طاہر کو آتا دیکھ کر وہ بولی۔

"تو پھر میں یہ واپس لے جاتا ہوں۔" طاہر نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہاری مرضی ہے۔ مجھے کیا معلوم تمہارے ہاں مہمانوں کی خاطر کیسے کی جاتی ہے۔" وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولی۔ طاہر نے اسے گھورتے ہوئے ٹرے ٹیبل پر رکھی۔ بسکٹ' سینڈوچز اور ساتھ میں پیپسی کے ٹن پیک تھے۔ خود وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ چکن سینڈوچز میں نے خود بنائے ہیں۔" لہجہ خفگی بھرا تھا۔

"اچھا تم یہ کام بھی کر لیتے ہو۔" مریم نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں اور بھی بہت کچھ کر لیتا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسی کے لہجے میں بولا۔

"آنٹی! آپ بھی لیں۔" مریم نے پلیٹ ان کی طرف بڑھائی۔

"پھر وہ زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہری تھی مگر جتنا وقت بھی وہاں گزرا بہت اچھا گزرا تھا۔ تبھی اسے یاد آیا کہ ابھی اس نے ہنڈیا بھی چڑھانی ہے۔

"کچھ دیر تو ٹھہرو بیٹا۔" آنٹی نے روکنا چاہا۔

"آنٹی! میں پھر آؤں گی۔ اب خاصی دیر ہو گئی ہے۔"

"آنا ضرور۔ تمہارے آنے سے اس گھر میں بھی رونق ہو گئی ہے۔" انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"ضرور آنٹی۔" مریم کھڑی ہو گئی۔

"طاہر! مریم کو چھوڑ آؤ۔" آنٹی نے کہا تو وہ اس کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

"طاہر۔" باہر آکر مریم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تمہاری امی۔۔۔۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" طاہر لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولا۔ اور یوں بھی مریم مجھے کبھی ان کی معذوری کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ اب بھی اتنی ہی متحرک ہیں۔"
"کیسے ہوا تھا یہ سب۔" مریم نے پوچھا۔
"ایکسیڈنٹ۔ اب تو دس سال ہو گئے۔" طاہر نے مختصراً کہا۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولا۔
"تھینک یو مریم۔"
"کس بات کا۔" مریم نے حیرت سے پوچھا۔
"تمہارے آنے کا۔" طاہر نے کہا تو وہ مسکرا دی۔
"اب جاؤ گی کیسے؟" طاہر نے پوچھا۔
"گیٹ سے۔" کیونکہ اس سائیڈ پر کوئی درخت نہ تھا سو وہ گیٹ کی طرف چل دی۔

. ☆ .. ☆ .*

"نہ کسی سے کچھ پوچھتی ہیں نہ بتاتی ہیں بس پرس میں پیسے ڈالے اور مٹکتی ہوئی بازار چل دیں۔ عجیب دستور ہے یہاں کا بندہ کسی سے صلاح ہی لے لیتا ہے۔" مریم بڑے دنوں کے بعد آپا جی کے ہتھے چڑھی تھی۔ بلکہ باقاعدہ مریم کو بلوا کر دل کی بھڑاس نکالی جا رہی تھی۔

(اگر یہاں پر لائٹ گرین کلر کے پردے ہوں تو صوفے کے ساتھ میچ کر جائیں گے۔ کمرہ ایک دم سج جائے گا۔) مریم نے سوچا۔

"ایک کے گھر میں کوئی چیز آتی ہے تو دوسری کو آگ لگ جاتی ہے۔"
("اور آپ کو؟۔")
"الماریاں بھری ہیں کپڑوں کے ڈھیر لگے ہیں، مگر بس ایک بار کوئی کپڑا پہن لیں تو دوسری بار پہننا حرام ہو جاتا ہے ان پر۔"
(اتنی مبالغہ آرائی)
"لیکن کسی کو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ دو ٹکے کی کوئی چیز میرے لیے بھی لے آئے، آخر بڑی بہن کی طرح جگہ ہوں ان کی۔"
(خدا ایسی بڑی بہن سے بچائے)

"اب یہ دیکھو۔" آپا جی نے اپنے دوپٹے کا پلو اس کے سامنے پھیلایا۔
"پورے دو سال ہو گئے ہیں اس سوٹ میں گزارا کرتے مجال ہے جو میرے میاں کو کبھی دھیان بھی آیا ہو کہ مجھے بھی کسی چیز کی ضرورت ہے۔"
(یا خدا اتنا بڑا جھوٹ) مریم کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک ماہ پہلے سوٹ وجاہت بھائی نے انہیں لے کر دیا تھا۔ اور میاں کو تو چوبیس گھنٹے طعنوں کی مار ماری جاتی تھی وہ کیا دھیان کرتے۔ مریم نے طویل سانس لے کر اپنی توجہ ایک بار پھر کمرے کی ڈیکوریشن پر مبذول کر لی۔ آپا جی تو جیسے بھول ہی گئی تھیں کہ انہوں نے مریم کو کسی کام کے لیے بلوایا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ مسلسل بولنے کے بعد ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو یاد آیا کہ انہوں نے مریم کو کس لیے بلوایا تھا اور تب تک مریم کا اپنا دماغ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ اور سر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

دراصل آج ثمینہ بازار چلی گئی تھیں۔ انہیں بچوں کے کپڑے لینے تھے۔ اور حسب عادت بلاوجہ ہی آپا جی کو غصہ آگیا تھا۔ کہ ان کے خیال کے مطابق بھابیوں کو بازار جانے سے پہلے ان سے اجازت ضرور لینی چاہیے۔
"آپ نے مجھے کسی کام سے بلوایا تھا آپا جی۔" آخر مریم نے تنگ کر دھیمے لہجے میں پوچھا۔
"ہاں وہ یہ ایک سوٹ ہے۔" انہوں نے خوبصورت پرنٹڈ لان کا سوٹ اس کے سامنے رکھا۔
"ابا جی نے لے کر دیا تھا پہلے میں نے سوچا کہ یونہی رکھ دوں مگر اب سوچتی ہوں سلوا ہی لوں۔ کبھی اچانک کہیں جانا ہی پڑ جاتا ہے۔ تم اچھی سلائی کر لیتی ہو اور پھر سارا دن فارغ ہی ہوتی ہو دو گھنٹے میں سل جائے گا۔" ان کے لہجے میں کمال درجے کی نرمی در آئی تھی۔
("مارے گئے۔") مریم نے دل ہی دل میں سوچا۔ ان کا سوٹ خاصا مشکل کام ثابت ہوتا تھا کہ انہیں کوئی بھی چیز جلدی پسند نہیں آتی تھی۔ بہت بددلی

اس نے سوٹ لفافے میں ڈالا اور ثمینہ کے پورشن میں آگئی۔ عثمان اور رومان سو رہے تھے۔ عرفان ثمینہ کے ساتھ گیا تھا۔ وہ سوٹ ایک طرف رکھ کر رومان کے ساتھ لیٹ گئی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور سوچ در سوچ کا سلسلہ تھا۔
"کیا ساری زندگی یونہی گزر جائے گی۔" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔
"ابا! کیا آپ سچ مچ بھول گئے ہیں کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی تھی۔" اس نے بہت دکھ سے سوچا۔ اسے یاد نہیں کہ ابا نے اسے کبھی پیار کیا ہو اس کی پھپھو بتاتی تھیں کہ جب وہ پیدا ہوئی تو ابا نے پورا ایک ہفتہ گھر میں قدم نہیں رکھا تھا۔ جب وہ اماں کے ساتھ آ رہی تھی تو ابا نے اسے روکا تھا مگر شاید صرف دنیا کے خیال سے اور اب ۔۔۔۔ اب بھی اسے ابا سے کوئی امید نہ تھی مگر ایک انتظار سا رہتا تھا شاید ابا کو کبھی خیال آ ہی جائے۔"
رومان کسمسانے لگا تو مریم اپنا بازو اس کے گرد تان کر تھپکنے لگی۔
"اور اماں۔۔۔۔ اب اماں کی زندگی کیسے گزرے گی۔"
"مریم سو گئی ہو۔؟" دروازہ کھلنے کے ساتھ روشنی اور ثمینہ باجی کی آواز آئی تھی۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"نہیں باجی! جاگ رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر ان کے کمرے میں آگئی۔ عرفان شاید راستے ہی میں سو گیا تھا۔ بیڈ پر شاپنگ بیگ بکھرے تھے۔ مریم ان کے لیے شربت بنا لائی۔ ثمینہ دوپٹہ اتار کر بیڈ پر دراز ہو گئی تھیں۔
"توبہ اتنی گرمی تھی کہ کچھ نہ پوچھو، خوامخواہ عرفان کو ساتھ لے گئی تھی بہت ستایا اس نے۔" انہوں نے شربت پیتے ہوئے بتایا۔
"رانی کہاں گئی! وہ بھی تو ساتھ گئی تھی۔" مریم نے پوچھا۔
"ہاں چھٹی مانگ رہی تھی۔ باہر سے ہی چلی گئی میں نے تو کہا تھا، پانی وانی پی کر چلی جانا۔" انہوں نے

شربت پی کر گلاس اسے تھمایا اور شاپنگ بیگ کھولنے لگیں۔ زیادہ تر بچوں کے کپڑے اور چیزیں تھیں۔
"یہ کیسا ہے۔؟" انہوں نے آف وہائٹ بہت نفیس کڑھائی والا سوٹ نکالا۔
"بہت خوبصورت ہے۔ کتنے کا ہے۔" مریم نے اشتیاق سے پوچھا۔
"پورے دو ہزار کا آیا ہے، پچیس سو مانگ رہا تھا، بڑی مشکل سے مانا۔" انہوں نے بتایا۔
"اتنا مہنگا۔" مریم نے آنکھیں پھیلائیں۔
"اسکول میں فنکشن ہے، اس لیے لینا پڑا۔ اور اپنے پیسے تھے۔ اس لیے لے لیا۔ تمہارے بھائی کے پیسوں سے لیتی تو نیندیں نہ اڑ جاتیں ان کی۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ہاں یہ تو مزے ہیں آپ کے۔"
"میری جان! ان مزوں کے لیے محنت کتنی کرنا پڑتی ہے ورنہ تو گھر کی چیزیں بھی خریدو تو بھی فضول خرچی کے طعنے ملتے ہیں۔" انہوں نے دوسرا شاپر کھولا۔
"دراصل پڑھ لکھ کر ٹھیک ٹھاک عہدوں پر تو لگ گئے ہیں مگر ذہن ان کے اب بھی وہی دیہاتی طرز کے ہیں۔ عورتوں کو دبا کر رکھنے والے۔"
"یہ دیکھو۔" انہوں نے فیروزی کاٹن کا کڑھائی والا سوٹ نکالا۔
"یہ بھی بہت اچھا ہے۔"
"تمہارے لیے ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "مجھے اچھا لگا تو تمہارے لیے لے لیا۔"
"اس کی کیا ضرورت تھی باجی! میرے پاس ہیں تو۔" مریم نے آہستگی سے کہا۔
"ضرورت بھی پڑ جاتی ہے۔ تم یہ لپیٹ کر الماری میں رکھ دو، آپا جی آ رہی ہوں گی۔" مریم نے شاپر اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔ تب ہی آپا جی آگئیں۔
"وہی ہے تھوڑا سا ثمینہ۔" اب کوئی نہ کوئی بہانا تو چاہیے ہی تھا۔
"آئیں آپا جی۔" ثمینہ نے بیڈ پر جگہ بنائی۔
"کیا کچھ خرید لائیں؟" ان کی نگاہیں شاپنگ بیگ کے اندر جھانک رہی تھیں۔

"کچھ خاص نہیں، بس بچوں کی چیزیں ہیں اور ایک سوٹ اپنے لیے لیا تھا۔" ثمینہ چیزیں دکھانے لگیں۔

"بہت قیمتی لگتا ہے۔" آپا جی کی آنکھیں پھیلیں۔

"آٹھ سو کا آیا ہے۔" انہوں نے اطمینان سے کہا۔

"اچھا۔" آپا جی کے لہجے میں بے یقینی سی تھی۔ مریم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہ میں احمد کے لیے لائی تھی۔" ثمینہ نے ریڈی میڈ سوٹ نکالا۔ احمد آپا جی کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور ثمینہ باجی سے بہت پیار کرتا تھا۔ اسی لیے ثمینہ بھی ہر بار اس کے لیے اور باقی بچوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ لاتی رہتی تھیں، خواہ ان دنوں آپا جی سے لڑائی ہی کیوں نہ چل رہی ہو کہ ان کے نزدیک بڑوں کی لڑائی میں بچوں سے کیسا بدلہ لینا۔

"اچھا ہے۔ احمد تو پہلے ہی کہتا ہے کہ میرے لیے آپ تو کچھ نہیں لاتیں۔ سب کچھ آنٹی ہی لاتی ہیں۔" آپا جی نے کہا تب ہی رومان اٹھ کر آ گیا۔

"امی! بھوک لگی ہے۔"

"مریم! رومان کے لیے لانا کچھ۔" ثمینہ نے کہا تو وہ کچن میں چلی گئی۔

"کتنے کمزور ہو گئے ہیں بچے۔" آپا جی نے رومان کو دیکھ کر کہا وہ کسل مندی سے ثمینہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

"گرمی ہے نا، ذرا نظر چوک جائے تو باہر نکل جاتے ہیں کھیلنے کے لیے۔" ثمینہ نے سامان اکٹھا کرتے ہوئے کہا۔

"تم دھیان رکھا کرو بچوں کا۔ خود اپنے ہاتھوں سے کھانے پینے کو دیا کرو۔"

"مریم بہت خیال رکھتی ہے آپا! اس کے آنے سے تو میرا بوجھ آدھا رہ گیا ہے۔ سارا دن کچھ نہ کچھ انہیں دیتی ہی رہتی ہے۔" ثمینہ نے ٹالنا چاہا۔

"کون جانے دیتی بھی ہے یا ــــــ یاد ہے جب آئی تھی تو کیسی دبلی پتلی سی تھی، اب کیسے صحت بنی ہے۔"

آپا جی کا لہجہ اور اتنا گھٹیا الزام، کیا وہ بچوں کے حصے کا بھی کھا جاتی تھی، مریم کے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ غم وغصے سے آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ بعض لوگ کس قدر تنگ دل ہوتے ہیں اور آپا جی۔ انہیں نجانے کیسا سکون ملا ہو گا ایسی گھٹیا بات کر کے۔

"یا خدا۔" وہ کچن کے دروازے پر سر رکھ کر کراہی۔

"ایسا تو مت کہیں آپا جی! اس ــــ بچاری نے تو کبھی میرے کہے بغیر کھانا تک نہیں کھایا۔" غصہ تو ثمینہ کو بھی آیا تھا مگر انہوں نے اس بات پر شکر کیا کہ مریم یہاں نہیں تھی۔

"میں تو یونہی ایک بات کر رہی تھی۔" ان کی یونہی سی بات مریم کے دل میں ترازو ہو گئی اور وہ وہیں کھڑی گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔

"مریم۔" ثمینہ نے پکارا تو وہ بمشکل خود کو سنبھالتی اندر آ گئی۔

"یہ تو تمہیں دکھانا ہی بھول گئی۔ کتابیں لائی ہوں تمہارے لیے۔ بس اب تم بی۔ اے کی تیاری شروع کر دو۔" انہوں نے کتابیں اس کی طرف بڑھائیں جو اس نے خاموشی سے تھام لیں۔

اس دن کے بعد سے وہ چپ چپ سی رہنے لگی تھی۔ ثمینہ کوئی پھل وغیرہ دیتیں تو وہ چپکے سے بچوں کو کھلا دیتی۔ خود بس روٹی کے ساتھ سالن لے لیتی۔ گھر میں انواع و اقسام کی چیزیں وہ ــ اپنے ہاتھوں سے بناتی مگر خود ایک لقمہ بھی نہ لیتی۔ اس دن ثمینہ نے خوبانی اور آلو بخاروں سے بھری پلیٹ اس کی طرف بڑھا دی۔

"ادھر بچوں کے کمرے میں لے جاؤ۔"

"باجی! آپ خود ہی انہیں دے آئیں، میں یہ رائتہ بناتی ہوں۔" اس نے جلدی سے ان کے ہاتھ سے دہی کا پیالہ لے لیا۔

"ارے بھئی مجھے ــــ چاول بھی دیکھنے ہیں۔" ثمینہ نے دوبارہ کہا۔

"میں دیکھ رہی ہوں۔ آپ انہیں کھلا آئیں۔" مریم نے آہستگی سے کہا "وہ مجھ سے نہیں کھاتے۔"

وہ پہلے جھنجلائیں پھر ٹھٹھک کر اس کا چہرہ کھوجنے

لگیں۔

"کیا ہوا مریم؟" مریم ان کی کھوجتی نگاہوں سے بچنے کے لیے فریج سے ہری مرچیں نکالنے لگی۔

"کچھ نہیں باجی۔؟"

"میں دیکھ رہی ہوں۔ تم کئی دنوں سے کھانا ٹھیک سے نہیں کھا رہیں۔"

"کھاتی تو ہوں۔" اس نے چھری اٹھا کر ہری مرچ کاٹنی شروع کی۔

"کھاتی ہو مگر ٹھیک سے نہیں کھاتیں۔" انہوں نے دوبارہ رو ردیا۔

"باجی! آپ بچوں کو خود ہی دے دیا کریں نا۔" وہ آہستگی سے بولی۔ اور ثمینہ ایک پل میں جان گئیں کہ اس نے آپا جی کی بات سن لی تھی۔

"تم واقعی بے وقوف ہو مریم۔" انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔

"بے وقوف نہیں ہوں، بس کبھی کبھار اپنی اوقات بھول جاتی ہوں۔"

"بکواس نہیں کرو اور تم بھی کس کی بات دل سے لگا کر بیٹھی ہو، ارے انہوں نے تو کبھی ہمیں نہیں بخشا۔ جو کچھ وہ مجھے سنا دیتی ہیں اگر ان کی بات کو لے کر بیٹھی رہوں تو زندگی اجیرن ہو جائے۔" ثمینہ نے سمجھانا چاہا۔

"آپ کا تو گھر ہے یہ۔" مریم آہستگی سے بولی۔

"تم بھی اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔ تم ان کے ہاں نہیں رہتیں۔ ایسے بندے کی بات کیا سننی جس کا کام ہی بھس میں چنگاری ڈالنا ہو۔ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا کرتے ہیں۔ تمہارے کھانا پینا بند کر دینے سے ان کی صحت پر کیا اثر ہو گا۔ تمہیں ہی نقصان ہو گا۔ چلو شاباش اٹھاؤ یہ پلیٹ، خود بھی کھاؤ اور ان گدھوں کو بھی کھلاؤ، جب تک سامنے بیٹھ کر نہ دیا جائے۔ ان کے حلق سے تو کچھ اترتا ہی نہیں۔" آخر میں وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولیں تو مریم مسکرا دی۔

"اور ہاں، اب پڑھنا بھی شروع کر دو۔ میں خود بھی نہیں چاہتی۔ تم ساری زندگی یونہی گزار دو۔" انہوں نے کہا تو مریم پلیٹ اٹھا کر چلی گئی۔

. ☆ .. ☆ .*

اتنے عرصے سے اس نے پڑھنا چھوڑا ہوا تھا اور اب دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ آنٹی صبیحہ سے ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوئیں۔

"تم یہاں آ جایا کرو۔ میں تمہیں پڑھا دوں گی۔"

سارے کام نمٹا کر اس نے باقی رانی کو سمجھایا اور خود کو پڑھنے کے لیے آمادہ کر کے کتابیں اٹھا لیں۔

"اب اتنا لمبا چکر کون لگائے۔" اس نے کوفت سے سوچا، اسے پتا تھا اس وقت تک ابہتاج بھی چلا جاتا تھا سو اطمینان سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں گھس گئی۔ وہ کبھی بھی اس کمرے میں نہیں آئی تھی تب ہی دوسرے دروازے سے نکلتے نکلتے ٹھٹھک گئی۔ دیوار گیر الماری میں ڈھیر ساری کتابیں پڑی تھیں۔

"ایک نظر دیکھوں تو۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی کتابیں ایک طرف رکھیں اور کتابوں کا جائزہ لینے لگی۔ زیادہ تر کتابیں انگریزی کی تھیں۔

"اوہ! کتنے پڑھے لکھے ہیں یہ۔" اتنی ڈھیر ساری انگلش کی کتابیں دیکھ کر وہ مرعوب ہو گئی۔ تبھی نظر البم پر پڑی۔

"ہے تو بری بات مگر......" تصویریں دیکھنے کے تجسّس میں اس نے البم کھول لی۔ ساری کی ساری ابہتاج کی تصویریں تھیں، بچپن سے لے کر اب تک کی۔

"توبہ ہے، یہ ابہتاج بھائی بچپن میں کتنے ہونق سے ہوا کرتے تھے۔" وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔ پھر کئی صفحے پلٹے۔

"اف کتنی خوفناک تصویر ہے۔ شکر ہے، اب اتنے خوفناک نہیں ہیں۔"

اس نے جلدی جلدی ساری تصویریں دیکھ کر البم رکھ دی۔ پھر ایک کونے میں پڑی مستنصر حسین تارڑ کی "کے۔ ٹو کہانی" اٹھا لی۔

"ویسے تو دیں گے نہیں، چپکے سے پڑھ کر رکھ دوں گی۔" اس نے آرام سے سوچا۔ اسے تو کوئی کتابیں پڑھنے نہیں دیتا تھا مگر کالج میں اس کی سہیلی فرح بہت

ھا کرتی تھی اور مستنصر حسین تارڑ کے ہر سفرنامے کی بے تحاشا تعریفیں کیا کرتی تھی۔

"کتابیں واپس رکھو۔" اپنے عین پیچھے ابہتاج کی بھاری آواز سن کر وہ بری طرح اچھلی، کتاب ہاتھ سے پھسل کر نیچے جا پڑی۔ ابہتاج کب سے کھڑے اپنے بارے میں اس کے عجیب و غریب ریمارکس سن رہے تھے۔

"وہ۔ وہ ابہتاج بھائی۔" مریم نے بری طرح ہکلا کر کچھ کہنا چاہا۔ ابہتاج نے جھک کر کتاب اٹھائی۔

"یہ پڑھنے والوں کے لیے ہوتی ہے۔" ان کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ اور وہ جو بری طرح شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس جملے پر تپ کر رہ گئی۔

"تو میں کون سا اس کی کشتیاں بنانے لگی تھی۔"

"تم سے کچھ بعید بھی نہیں۔" انہوں نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی اور اس کے اوپر سے ہاتھ بڑھا کر کتاب ریک میں رکھ دی۔ مریم بری طرح چڑ گئی۔

"رکھیں سنبھال کر، مجھے نہیں پڑھنی۔" وہ غصے میں تپی آگے بڑھی تو چھوٹی میز اس کی زد میں آ گئی۔

"میز سے ٹکرانا تمہارا شوق سہی مگر اپنی یہ کتابیں تو لیتی جاؤ۔"

"اف ان کا لہجہ۔ مریم اپنی ساری چوٹ بھول کر جھٹکے سے مڑی اور کتابیں اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"کیا ضرورت تھی ادھر سے گزرنے کی اور انہیں بھی آج ہی لیٹ جانا تھا۔" دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی وہ آنٹی صبیحہ کے پورشن تک آئی۔

"کیا بات ہے ڈیئر فرینڈ! یہ کس کو کچا چبایا جا رہا ہے۔" طاہر اس کا غصے سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگا، وہ ابھی جانے کی تیاریوں میں تھا۔

"تم بھی آج لیٹ ہو گئے ہو؟" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"میرا تو آج بس تیسرا پیریڈ ہونا تھا مگر یہ 'بھی' کیا مراد ہے، کیا کوئی اور بھی لیٹ ہو گیا ہے۔" طاہر جاگرز کے تسمے کس کر سیدھا ہوتا ہوا شرارت سے بولا۔

"کوئی نہیں۔" وہ آنٹی کی طرف متوجہ ہوئی "آنٹی! میں کتابیں لائی تھی۔"

"بہت اچھا کیا بیٹی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اف امی آپ اس کند ذہن کو پڑھائیں گی۔" طاہر نے جان بوجھ کر اسے چڑایا۔

"تم ہو گے کند ذہن۔ میں تو نہیں ہوں۔" مریم نے کندھے اچکا کر آرام سے کہا۔ "کیوں ایف۔ اے میں تمہاری کمپارٹ نہیں آئی تھی۔" طاہر فائل اٹھا کر اس کے پاس آیا۔

"کوئی نہیں میں نے تو کمپارٹ نہیں لی۔ میری تو ہائی سیکنڈ ڈویژن تھی۔" وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

"اچھا۔" طاہر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "پھر تو تم واقعی ذہین ہو۔" طاہر ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

مریم کتابیں کھول کر آنٹی کے پاس بیٹھ گئی۔ اگرچہ اس نے کافی عرصے کے بعد کتابوں سے ناتا جوڑا تھا اس بنا پر مشکل بھی پیش آ رہی تھی کہ ذہن بالکل ڈل ہو کر رہ گیا تھا مگر اسے آنٹی صبیحہ کے پڑھانے کا انداز بہت اچھا لگا تھا۔ وہ پڑھ کر آئی تو ابہتاج باہر نکل رہے تھے۔ آج کل آندھیوں کا موسم تھا۔ آسمان گرد آلود ہو رہا تھا۔ اس نے ابہتاج کو جاتے دیکھا تو ایک بار پھر غصہ سا آ گیا۔

"میں بھی اب یہیں سے گزروں گی۔" مریم نے ہٹیلے پن سے سوچا۔ کمرے میں گئی تو نظر میز پر پڑے ان کے کاغذوں پر پڑی۔ مریم نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے پین پر ڈالی پھر سب سے اوپر پڑے کاغذ پر اس نے خوفناک سا چہرہ بنا کر نیچے (GHOST) لکھ کر گویا سارے بدلے چکا دیے تھے۔

. ☆ .. ☆ .*

"تمہیں پتا ہے، ساون آنے والا ہے۔" مریم آم کے درخت تلے کتابیں بکھرائے پڑھنے میں محو تھی جب طاہر نے دیوار پر سے جھانک کر کہا۔ مریم چونک کر بے خیالی میں پوچھنے لگی۔

"کون آنے والا ہے؟۔"

"ساون۔" وہ کہہ کر اس طرف آ گیا۔

"وہ کون ہے؟۔" مریم کا ذہن ابھی تک کتاب میں اٹکا تھا۔ سمجھی کسی رشتے دار کے آنے کی اطلاع دے

رہا ہے۔

”میں تمہارے لیے بہت فکر مند ہوں مریم! پتا نہیں تمہارا بنے گا کیا۔“ وہ متفکرانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گیا اور زمین پر گرا لیموں اٹھا کر چھیلنے لگا۔

”کیا ہوا۔؟“ مریم نے کتابیں سمیٹ کر ایک طرف رکھیں۔

”فرینڈ! میں ساون کی بات کر رہا ہوں جس میں بارشیں ہوتی ہیں یعنی میں یہ فرما رہا ہوں کہ برسات شروع ہونے والی ہے۔“ وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

”تو یوں کہو نا۔“ وہ آرام سے بولی ”ابھی تو پورا ایک مہینہ باقی ہے۔“

”تم ساون میں کیا کرتی تھیں۔“ طاہر یونہی پوچھنے لگا۔

”ہم۔“ وہ جیسے کھو سی گئی۔

”ہم سب کزنز بارش میں خوب نہایا کرتی تھیں۔ پھر اماں پورے تلتی تھیں۔“

”پوریاں تو سُنی ہیں‘ یہ پورے کیا ہوتے ہیں۔“ طاہر نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ ہماری طرف کی خاص سوغات ہوتی ہے ہر گھر میں تلے جاتے ہیں اور بہت مزے کے ہوتے ہیں گندم کے آٹے کے بنتے ہیں اور پھر ہر گھر میں بھجوائے جاتے تھے۔ مجھے بنانے نہیں آتے ورنہ اس بار تمہیں بنا کر کھلاتی۔“ مریم نے مایوسی سے سر ہلایا پھر اس سے پوچھنے لگی۔

”تم کیا کرتے ہو۔؟“

”میں بھی بارش میں نہاتا ہوں۔ ادھر کی سڑکیں بہت سنسان ہوتی ہیں‘ بہت مزا آتا ہے برستی بارش میں۔ سنسان سڑکوں پر بہت دور تک تنہا چلنے میں اور تمہیں پتا ہے۔ میں پکوڑے بہت مزے کے بناتا ہوں۔“

وہ دونوں جب بھی اکٹھے ہوتے‘ یونہی چھوٹی چھوٹی باتیں کیا کرتے تھے لایعنی‘ بے مقصد‘ معصومیت اور سادگی لیے ہوئے۔

”لیموں کتنے بڑے بڑے ہو گئے ہیں؟“ مریم نے لیموں کے پیڑوں پر نگاہ دوڑائی۔

”ہاں ایک بارش ہو جائے تو جامنوں پر بھی نکھار آجائے۔“ طاہر نے کہا۔ تبھی ابا جی اور ابہتاج آگئے۔ ابہتاج تو حسب معمول کاریڈور میں کرسی پر اخبار لے کر بیٹھ گئے تھے جبکہ ابا جی ان کی طرف آگئے۔ وہ رات ہی کو آئے تھے۔

”کیا ہو رہا ہے بچو!“ انہوں نے پاس آتے ہوئے پوچھا وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔

”ابا جی! دیکھیں نا‘ وہ جو میں نے بیج بوئے تھے۔ ان میں سے پودے نکل آئے ہیں۔“ مریم نے جوش سے کہا‘ وہ تو کب کی منتظر تھی کہ کب ابا جی اس طرف آئیں اور وہ انہیں یہ پودے دکھائے۔

طاہر نے وہاں سے کھسک جانے میں ہی عافیت جانی۔ اور ابہتاج کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ ابا جی کو کیاری کے پاس لے آئی۔

”ابا جی! بتائیں نا‘ اس پر کون کون سے پھول لگیں گے۔“ مریم اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

”پھول۔“ ابا جی نے غور سے ان پودوں کا معائنہ کیا ”یہ تو شاید کدو کی بیل ہے۔“

”جی۔“ مریم چیخ ہی تو اٹھی۔

”یہ کریلے لگتے ہیں اور یہ جنگلی...... تمہیں بیج کس نے لا کر دیئے تھے؟“ ابا جی پوچھنے لگے۔

”طاہر نے۔“ لب بھینچ کر بمشکل اس نے خود پر قابو پایا تھا۔ ابا جی ہنس پڑے۔

”احمق ہے وہ تو‘ مذاق کیا ہے اس نے مگر تم فکر نہ کرو بیٹی ہیں یہاں خود پھولوں کے پودے لگوا دوں گا۔“ ابا جی اسے تسلی دے کر باہر چلے گئے۔ مریم نے مڑ کر شعلہ بار نگاہوں سے طاہر کو دیکھا۔

”مارے گئے۔“ طاہر اچھل کر ابہتاج کے پیچھے ہوا۔

”تم۔“ مریم تیر کی طرح اس تک پہنچی تھی۔ مارے غصے کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ ابہتاج نے حیرت سے اس کے غصے سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا۔

”آئی ایم ساری مریم! مجھے نہیں معلوم تھا‘ وہ کس کے بیج ہیں۔“ وہ صفائیاں پیش کرنے لگا۔ جبکہ مریم کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر دے۔ اگر ابہتاج درمیان میں نہ ہوتا تو شاید وہ سچ مچ اس کا حشر نشر کر دیتی۔

”مریم! اب میں تمہیں سچ مچ والے بیج لا کر دوں گا۔“

”بھاڑ میں جاؤ تم۔“ وہ روہانسی ہو کر چیخی اور پیر پٹختی وہاں سے بھاگ گئی۔ ابہتاج نے مڑ کر خشمگیں نگاہوں سے طاہر کو گھورا۔

”تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا طاہر! اس نے بہت محنت کی تھی۔“

”کوئی بات نہیں بھائی! وہ مجھ سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی۔“ طاہر نے بڑے مان بھرے لہجے میں کہا۔ ابہتاج نے ایک چونکتی نگاہ اس کے لاپروا چہرے پر ڈالی پھر اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

.☆..☆.*

اس بار اماں آئیں تو بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ مریم ان کے کندھے سے لگ کر رو دی۔

”اماں! آپ اپنا دھیان کیوں نہیں رکھتی ہیں۔“

”رکھتی ہوں مریم‘ اور کیسے رکھوں۔“ ان کا لہجہ بکھرا سا تھا۔ مریم ان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ تھکن جیسے اس چہرے کی شکنوں میں جم کر رہ گئی تھی۔ مریم تڑپ اٹھی۔

”اماں! میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“

”تو وہاں کیسے رہے گی مریم! وہ تو مجھے بڑی مشکل سے برداشت کرتے ہیں۔“

”تو پھر اماں! آپ یہاں آجائیں۔“ مریم نے آس سے کہا۔

”پاگل ہو گئی ہے تو۔“

”کیوں تنگ کر رہی ہو خالہ کو مریم۔“ ثمینہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”ثمینہ۔“ اماں اسے پرے دھکیل کر ثمینہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”ثمینہ بیٹی! اس کے لیے کوئی رشتہ دیکھو۔“

”کیوں نہیں خالہ! مگر ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے‘ بی۔ اے کر لے تو پھر دیکھوں گی۔“ ثمینہ نے کہا۔

”نہیں بیٹی! زندگی کا کیا بھروسا“ جیتے جی اسے اپنے گھر کی ہوتے دیکھ لوں۔ بس نیک شریف انسان ہو اور مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“ اماں نے کہا تو مریم بلک اٹھی۔

”اماں! ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں۔“ مگر اماں اسے نظر انداز کر کے ثمینہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”ٹھیک ہے خالہ! میں دیکھوں گی۔“ ثمینہ نے انہیں ٹالا۔

”اماں! آپ کو کیا مل گیا شادی کر کے جو مجھے بھی اس جہنم میں جھونک رہی ہیں۔“ مریم بے بسی سے کہنے لگی۔

”پاگل مت بن مریم! ہر جگہ ایک کہانی نہیں دہرائی جاتی۔“ اماں درشت لہجے میں کہا۔

مریم حیرت سے اماں کی طرف دیکھنے لگی‘ نجانے کیوں اسے اماں کا رویہ بہت عجیب اور بدلا سا لگا تھا۔ جاتے ہوئے وہ اماں کے گلے لگ کر روتی رہی جبکہ اماں کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا تھا۔

.☆..☆.*

”ثمینہ باجی! مریم کہاں ہے؟“ طاہر نے اندر آکر تیزی سے پوچھا۔ مریم کچن میں تھی اس کی آواز سن کر باہر نکلنے لگی۔

”کیا ہوا ہے۔؟“ ثمینہ نے پوچھا۔

”وہ باہر ایک آدمی آیا ہے‘ مریم کی امی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔“ طاہر نے دھیمے لہجے میں کہا مگر مریم کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ کر نیچے جا پڑی۔ طاہر فوراً اس کی طرف لپکا۔

”مریم! حوصلہ کرو۔ کچھ نہیں ہوگا‘ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ طاہر نے اسے حوصلہ دینا چاہا مگر وہ اس کے کندھے سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”مریم! میری بہن! حوصلہ کرو۔“ طاہر اسے تسلی دے رہا تھا۔

”ٹھہرو۔ میں تمہارے بھائی کو فون کرتی ہوں۔“ ثمینہ نے افتخار بھائی کے آفس کے نمبر ڈائل کیے دوسری طرف کوئی بتا رہا تھا۔

"تحصیلدار صاحب تو ۳۳ چک گئے ہیں۔"
"اب کیا کریں' ابتہاج بھی گھر پر نہیں ہے۔" ثمینہ نے پریشان ہو کر طاہر کی طرف دیکھا۔ مریم کا برا حال تھا۔ تبھی گاڑی کی آواز آئی۔
"ابتہاج بھائی آگئے ہیں۔ آپ آئیں' میں انہیں بتاتا ہوں۔" طاہر نے کہا۔ ثمینہ نے پہلے بھاگ کر رخسانہ کو اپنے جانے کا بتایا تو وہ آکر مریم کو تسلی دینے لگیں۔ ثمینہ نے جلدی جلدی تین چار جوڑے اپنے اور بچوں کے رکھے۔
"عثمان اور رومان کو چھوڑ جاؤ۔ میں سنبھال لوں گی۔" رخسانہ نے کہا۔
"نہیں میں امی کے ہاں چھوڑ دوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "تم افتخار کو بتا دینا۔"
انہوں نے روتی ہوئی مریم کو کھڑا کیا۔ ابتہاج گاڑی لیے تیار تھے۔ سارا رستہ مریم روتی آئی تھی جب دو گھنٹے میں وہاں پہنچی تو وقت کی بساط الٹ چکی تھی۔ مریم کی چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔
"اماں! میرا انتظار تو کیا ہوتا۔" ثمینہ کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ جب اماں کا جنازہ اٹھا تو وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ ثمینہ نے بچوں کو ابتہاج کے ساتھ امی کے گھر بھجوا دیا۔ مریم کو جب ہوش آیا تو وہ حقیقتاً" تنہا ہو چکی تھی۔ اس کی پھوپھی اور چچا بھی آئے تھے۔
"ابا کہاں ہیں؟" مریم کی نگاہیں ہر طرف بھٹک رہی تھیں۔
"وہ تو دو مہینے ہو گئے' دوبئ چلا گیا ہے۔" پھوپھی نے بتایا۔
"سب مجھے چھوڑ گئے۔" وہ پھر سے بلک بلک کر رونے لگی۔
"دیکھو بیٹی! مرحومہ کے ساتھ ہمارا اب کوئی رشتہ نہ تھا۔ ہم اگر یہاں آئے ہیں تو صرف مریم کی وجہ سے۔" مریم کے چچا نے ثمینہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مریم ہمارا خون ہے' اب اسے ہم یونہی تو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا باپ یہاں ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔"
پھوپھی نے کہا تھا۔ ثمینہ کا دل چاہا۔ ان سے پوچھے۔ وہ سب پہلے کہاں تھے۔ "کرنے والی اس کی ماں تھی تو ہم نے دخل نہ دیا مگر اب مریم ہمارے ساتھ جائے گی۔" چچا نے گویا فیصلہ سنایا۔
"نہیں باجی! میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" مریم نے خوفزدہ ہو کر ثمینہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ثمینہ کا دل بھر آیا۔ وہ کھل کر کچھ کہہ بھی نہ سکتی تھیں کہ وہ مریم کے زیادہ حقدار تھے مگر مریم کو اس کی مرضی کے خلاف یہاں چھوڑنا بھی نہ چاہتی تھیں کہ اتنے عرصے میں وہ انہیں بہنوں کی طرح عزیز ہو گئی تھی۔
"نہ بیٹی! اب تم کہیں اور کیسے رہ سکتی ہو' پہلے تو تمہاری ماں کی ضد تھی جو تمہیں یوں غیروں کے در پر جا پھینکا۔" ثمینہ کو ان کا لہجہ بہت برا لگا تھا۔
"باجی!" مریم نے ان کے ہاتھ تھام کر لجاجت سے کہا "مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔"
ثمینہ خود بھی ابھی مریم کو یہاں نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں کیونکہ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ مریم کے رشتے دار بس دنیاداری کی وجہ سے ضد کر رہے ہیں۔ جی تو چاہتا تھا انہیں دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیں کہ مریم ان کے ساتھ ہی جائے گی مگر بولیں تو صرف اتنا کہ وہ لوگ محسوس بھی نہ کریں۔
"ابھی مریم کو جانے دیں' وہ شاک میں ہے۔ اس کے بعد آجائے گی۔"
اگرچہ ان لوگوں کو ثمینہ کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی مگر مجبور ہو کر چپ کر گئے۔

.☆..☆.*

زندگی ویسے کیوں نہیں گزرتی جس طرح ہم چاہتے ہیں یہ ہماری سوچوں' ہمارے خیالوں' ہماری خواہشوں کے برعکس کیوں گزرتی ہے۔ سب کچھ بدل گیا اندر باہر سب الھل پتھل ہو گیا تھا' وہ کتنی دیر سے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ساکت وصامت بیٹھی تھی۔
"مریم! آندھی آنے والی ہے۔" ثمینہ نے پکار کر کہا۔ مریم نے سر اٹھا کر گرد آلود آسمان کو دیکھا۔
(آندھی تو آ گئی تھی اور نجانے کیا کچھ اڑا لے گئی)
"آنٹی! اندر آجائیں نا۔" عثمان نے اس کے

کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا اور اٹھ کر اندر چل دی۔ طویل کاریڈور میں صرف اسی کے قدموں کی چاپ ابھری تو وہ رک کر ارد گرد دیکھنے لگی۔ جیسے اس کے اندر کے سناٹوں نے پورے بنگلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔
وہ ساون جس کا انتظار وہ اور طاہر مل کر کیا کرتے تھے۔ اس کے اندر کہیں برس کر چلا گیا تھا اور اب پھر وہی موسم..... اس نے سر اٹھا کر ایک بار پھر گرد کی زد میں آئے آسمان کو دیکھا۔
اور اس عرصے میں کیا کچھ نہیں بدل گیا۔
آپا جی اپنے سسرال چلی گئی تھیں۔ کیوں اور کیسے؟ یہ جاننے کی مریم کو ضرورت ہی نہ تھی کہ تب جیسے اس کی ساری حسیات دم توڑ گئی تھیں۔ بعد میں ثمینہ باجی نے بتایا کہ ان کے شوہر نے چپکے سے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر کاروبار کر لیا تھا اور جب کاروبار جم گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا۔
"تم کو چلنا ہے تو چلو ورنہ میں تو جا ہی رہا ہوں۔" ابا جی نے سمجھا بجھا کر آپا جی کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اور پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب وجاہت اور رخسانہ کو یہ گھر برا لگنے لگا۔
"کوئی ڈھنگ کی جگہ تو ہے نہیں کسی مہمان کو بٹھانے کے لیے۔" رخسانہ بات بات پر کہنے لگیں اور جب یہی بات وجاہت نے کی تو ابا جی نے کہہ دیا کہ جاؤ جہاں تمہاری مرضی ہے چلے جاؤ۔"
اور انہوں نے رسما" بھی انکار نہیں کیا۔ شہر کے ایک پوش علاقے میں کوٹھی لے کر وہاں شفٹ ہو گئے۔
"تمہیں جانا ہے تو بیٹا! تم بھی چلے جاؤ۔" انہوں نے افتخار سے کہا۔
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے ابا جی! جس گھر کو آپ نے اتنی محبت سے بنوایا ہم اسے یوں ویران کیسے کر سکتے ہیں ہم یہیں رہیں گے۔" ثمینہ بے وقوف نہ تھیں کہ اتنا بڑا بنگلہ چھوڑ کر چلی جاتیں۔ ذرا سی محنت سے اس بنگلے کی شکل نکل آئی تھی۔ انہوں نے وجاہت کے پورشن میں ابا جی اور ابتہاج کے لیے کمرے سیٹ کر دیئے باہر کے کمروں میں نیا فرنیچر ڈلوا کر گیسٹ روم میں بدل دیا۔ شہباز علی نے طاہر اور آنٹی کو آپا جی والے پورشن میں شفٹ کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔
لیکن طاہر اب اکثر ادھر آجاتا تھا کہ اب اس کی آمد پر اعتراض کرنے والا کون رہ گیا تھا یہاں اور مریم اسے اس سناٹے سے خوف آتا تھا۔ وہ پہروں گھٹنوں میں سر دیئے روتی رہتی۔ یا پھر سارے کمروں میں متلاشی نگاہوں سے نجانے کیا ڈھونڈتی رہتی۔ کبھی ابتہاج اسے بھٹکتے دیکھتے تو ٹھٹھک کر رک جاتے۔ کبھی ان کا دل چاہتا کہ وہ اسے تسلی دیں۔
کوئی ایسا لفظ یا جملہ جو اس کی بے سکون آنکھوں میں سکون بھر دے۔
کوئی ایسی بات جو اس کے بے چین قدموں کو روک دے۔
یا کوئی ایسی نظر جو اس کی تلاش ختم کر دے۔
تبھی طاہر آجاتا اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے اسے بہلانے لگتا تو وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ جاتے۔ اور طاہر گھنٹوں اسے سے لایعنی باتیں کرتا رہتا یہاں تک کہ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر جاتی۔
"تمہیں اس کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔" افتخار بھائی اس کی ذمہ داری اٹھانے سے کترا رہے تھے۔
"تو پھر کہاں چھوڑ آتی۔"
"اس کے رشتے دار ہیں تو سہی۔" افتخار بھائی کہتے تو ثمینہ ان سے الجھ پڑتیں یہاں تک افتخار بھائی زچ ہو کر کہتے "جیسے تمہاری مرضی بابا میری جان چھوڑو۔"
مریم سب سنتی مگر گونگی بنی رہتی۔ تب ہی آنٹی کے کہنے پر اس نے عبادت میں پناہ ڈھونڈی تو جیسے سکون اس کے اندر اترتا چلا گیا۔ ہاں! وہ اکیلی نہیں' وہ ہے نا اوپر بیٹھا سب کی رکھوالی کرنے والا۔
"مریم! تم میرے ساتھ اسکول چلی جایا کرو۔ نرسری کی ٹیچر نہیں ہے اور تمہیں بھی مصروفیت مل جائے گی۔"
ثمینہ کو اسے یوں خاموش دیکھ کر دکھ ہوتا تھا۔ مریم بھی مان گئی اور واقعی اسکول میں وہ ننھے منے بچوں کے ساتھ بہل گئی تھی۔ عرفان بھی اس کی وجہ سے اسکول

جانے لگا تھا۔ اور ابھی اس نے اپنی زندگی سے سمجھوتا کیا ہی تھا کہ چچا جان کے فون نے پھر سے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ رات کوئی۔ وی لاؤنج میں سب ٹی۔ وی دیکھ رہے تھے۔ ابہتاج اور افتخار بھائی بھی موجود تھے' تب ثمینہ نے سرسری سا ذکر کیا تھا یا شاید انہیں امید نہ تھی کہ وہ اس قسم کے رد عمل کا اظہار کرے گی۔ بس پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی۔

"کیا ہوا مریم۔" ثمینہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"آپ مجھے واپس تو نہیں بھیج دیں گی۔" وہ بمشکل بولی۔ ابہتاج اور افتخار بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ثمینہ اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر پریشان سی ہو گئیں۔ اتنی مشکل سے تو وہ نارمل ہوئی تھی۔

"نہیں مریم! میں تمہیں کہیں نہیں بھجوا رہی۔" ثمینہ نے تسلی دی۔ پھر سارا وقت ابہتاج نے دیکھا' اس کی توجہ ٹی۔ وی سے ہٹ گئی تھی اور جتنی دیر بیٹھی مضطرب ہی رہی تھی۔

. ☆ .. ☆ .*

"تمہیں پتا ہے' ساون آنے والا ہے۔" طاہر عین اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"کون آنے والا ہے۔" مریم نے کتاب سے نظریں اٹھا کر بے خیالی سے پوچھا تو وہ ہنستا چلا گیا۔

"میرا خیال تھا استانی صاحبہ! اب آپ عقلمند ہو گئی ہوں گی مگر آپ تو اب تک۔"

"فضول مت بولا کرو۔" وہ خجل سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم نے پھر بی۔ اے کی تیاری شروع کر دی ہے۔" طاہر نے اس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں اور تم آج کل کہاں ہوتے ہو' نظر ہی نہیں آتے۔" وہ سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"ایگزام ہونے والے ہیں میرے فائنل ایر کے۔" طاہر نے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" مریم نے پلٹ کر دیکھا تو ہاتھ سے کتاب چھوٹ گئی۔ طاہر جو اجنبی صورتیں دیکھ کر ان کی طرف بڑھنے لگا تھا' ذرا دیر کے لیے رک گیا۔

مریم نے کس کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ...... یہ میرے چچا ہیں۔" وہ خوفزدہ سے لہجے میں بولی۔

"تو اس میں اتنا خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

طاہر نے حیرت سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ مریم اس کا ہاتھ چھوڑ کر اندر بھاگ لی۔ طاہر نے کچھ لمحے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی پھر کندھے اچکا کر ان کی طرف بڑھ گیا۔ مریم سرپٹ بھاگتی ہوئی کاریڈور میں ابہتاج سے جا ٹکرائی۔

"یا وحشت! ابھی تو دیکھ کر چلا کرو۔" ابہتاج نے اسے کندھوں سے تھام کر گرنے سے بچایا تھا۔

"وہ...... وہ آئے ہیں۔" وہ اضطراری انداز میں اس کی آستین دبوچ کر بولی۔

"کون۔؟" ابہتاج کے ماتھے پر شکن ابھر آئی۔

"میرے چچا۔" وہ خوفزدہ سے انداز میں بولی۔

"تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔" ابہتاج نرمی سے اس کی گرفت سے اپنی شرٹ چھڑاتے ہوئے بولے۔

"آپ مجھے ان کے ساتھ بھیج تو نہیں دیں گے۔" وہ ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر لجاجت سے بولی۔

"بالکل نہیں۔ تم اندر جاؤ۔" انہوں نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔ "جاؤ شاباش اور ثمینہ کو بھیجو' ہم بات کرتے ہیں۔" خود وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ مریم نے جا کر ثمینہ کو بتایا تو وہ عرفان کو اس کے حوالے کر کے فوراً" چلی گئیں۔ اور وہ بے چین سی عرفان کو آم کھلانے لگی۔

"ہم مریم کو لینے آئے ہیں۔" مریم کے بڑے چچا نے بغیر کوئی تمہید باندھے دو ٹوک لہجے میں بات شروع کی۔ ثمینہ ان کے لہجے سے خائف ہو کر ابہتاج کی طرف دیکھنے لگیں۔

"دیکھیے محترم۔ مریم آپ کی بھتیجی ہے۔ اسے آپ ہی کے ساتھ جانا ہے' مگر ابھی وہ بہت اپ سیٹ ہے' کچھ دن اسے رہنے دیں پھر چلی جائے گی۔" ابہتاج نے طریقے سے بات کا آغاز کیا۔

"پورا ایک سال ہو گیا یہ بات سنتے ہوئے۔ کون مناتا ہے اتنا لمبا سوگ۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ آپ اسے تیار کریں ہمارے ساتھ جانے کو۔" چھوٹے چچا کی تیوری کچھ زیادہ ہی چڑھ گئی۔

"مرنے والی اس کی ماں ہوتی ہے۔" ابہتاج نے گویا انہیں باور کروایا۔

"جانتے ہیں ہم اس کی ماں کے کیا کرتوت تھے جو آج وہ دردر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔"

"آپ تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کریں۔" ابہتاج ان کے طرز گفتگو پر تاؤ کھا کر رہ گئے۔

"دیکھو بیٹا! ہماری بھی مجبوری ہے۔ دنیا ہمیں جینے نہیں دیتی کہ اپنوں کے ہوتے ہوئے مریم غیروں کے در پر پڑی ہے۔" بڑے چچا نے بگڑتی بات کو سنبھالا۔

"تو یوں کہیں کہ دنیا کا خوف یہاں لے آیا ورنہ مریم تو تب بھی بچی نہ تھی جب اپنی ماں کے ساتھ یہاں آئی تھی تو باپ نے پلٹ کر پوچھا تک نہ تھا۔" ثمینہ کو بھی غصہ آگیا۔

"وہ اپنی مرضی سے آئی تھی۔" چچا نے تڑخ کر کہا۔

"اب بھی اپنی مرضی سے رہ رہی ہے' ہم اسے مجبور نہیں کر رہے۔" ابہتاج نے اطمینان سے جواب دیا۔ طاہر ابھی تک خاموشی سے ساری گفتگو سن رہا تھا۔ فوراً" درمیان میں کود پڑا۔

"دیکھیں بزرگوار! بہت سیدھی سی بات ہے' مریم اپنی امی کے ساتھ یہاں آئی تھی اپنی مرضی سے اور اب اپنی مرضی سے یہاں رہ رہی ہے اگر اس کی مرضی ہوئی تو وہ آپ کے ساتھ چلی جائے گی ورنہ......" طاہر نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تم لوگ ہوتے کون ہو اس طرح روکنے والے۔" چھوٹے چچا تاؤ کھا کر کھڑے ہو گئے۔

"بہن ہوتی ہے وہ ہماری۔" طاہر اسی لہجہ و انداز میں سکون سے بولا۔ ابہتاج نے بری طرح چونک کر طاہر کی طرف دیکھا۔ عجیب انکشاف تھا۔ وہ آج تک یہی سمجھتے رہے کہ طاہر مریم میں انٹرسٹڈ ہے۔

"کس ناتے سے؟" چچا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ کے کہاں سمجھ میں آئیں گے یہ رشتے ناتے۔" طاہر نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا' وہ دونوں جھٹکے سے کھڑے ہو گئے۔

"ہم ہیں اس کے اصلی اور قانونی وارث۔"

"مریم کا اصلی اور قانونی وارث اس کا باپ ہے۔ وہ آئے اور بیٹی کو لے جائے۔" ثمینہ نے ناک کر وار کیا تھا۔ وہ دونوں ایک لمحے کے لیے گنگ رہ گئے۔

"دیکھ لیں گے ہم۔" وہ غصے میں تنتناتے ہوئے چلے گئے۔

"کیا ہوا؟" ثمینہ واپس آئیں تو مریم نے بے چینی سے پوچھا۔

"تم تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتی ہو۔ چلے گئے ہیں وہ لوگ' میں نے بھی صاف کہہ دیا کہ جب تک اس کی مرضی ہو گی وہ یہیں رہے گی۔" ثمینہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تو مریم نے جیسے پہلی بار سکھ کا سانس لیا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ ثمینہ باجی۔" مریم نے ممنونیت سے ان کا ہاتھ تھاما۔

"مگر مریم! تم ان کے ساتھ جانا کیوں نہیں چاہتیں؟" ثمینہ نے اچانک پوچھا تھا' وہ چند ثانیے کے لیے چپ سی رہ گئی۔

"یہی تو وہ لوگ ہیں ثمینہ باجی! جن کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا' یہی ہیں جنہوں نے ابا کو دوسری شادی پر اکسایا۔ ان ہی لوگوں نے بار بار احساس دلایا کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ ان سب نے مل کر ہمیں بے گھر کیا' ان سب نے مل کر میری ماں کو مارا ہے۔" مریم تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

ثمینہ اسے دو بول تسلی کے بھی نہ کہہ سکیں۔ رات کو انہوں نے افتخار سے بات کی تو وہ الٹا ان ہی سے الجھ پڑے۔

"کہا تھا میں نے تم سے کہ مت اڑاؤ پرائے پھڈے میں ٹانگ۔"

"تو کیا کروں' بھیج دوں اسے؟" ثمینہ چڑ گئیں۔

"ہاں۔"

"کیسے آرام سے کہہ دیا ہے۔" ثمینہ کو برا لگا تھا۔

"تو کیا کروں۔ دیکھو وہ ابھی ان سے متنفر ہے جائے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔" افتخار نے سمجھایا۔

"افتخار! ہم اس کی شادی نہ کر دیں۔" ثمینہ کو اچانک اس مسئلے کا حل نظر آیا۔

"شادیاں اس طرح ہوتی ہیں۔" افتخار انہیں بس گھور کر رہ گئے۔

"تو کس طرح ہوتی ہیں۔ آپ کوئی اچھا سا رشتہ دیکھیں' اس کے لیے۔" ثمینہ نے گویا بات ختم کر دی۔"

"اس کا باپ بیٹھا ہے' اس کی شادی کرنے کے لیے۔" افتخار نے کروٹ بدلی۔

"ہاں بیٹھا ہے دوبئی جا کر۔ اس کی بلا سے مریم جیسے یا مرے۔" ثمینہ نے جل کر کہا۔ افتخار نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ٹھیک ہے' آپ تو کسی کام کے نہیں۔ مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"

"اور کل جو اس کا باپ آ گیا تو۔" افتخار نے کروٹ بدلے بغیر کہا۔

"سب کچھ مریم کی مرضی سے ہو گا پھر کیا کرے گا وہ' مریم عاقل و بالغ ہے۔"

"جو تمہارے جی میں آئے کرو۔" افتخار انہیں سمجھانے کا ارادہ ملتوی کر کے آنکھیں موند گئے۔

.☆..☆.*

ثمینہ نے مریم سے بات کی تو وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"سچ باجی! آپ میری شادی کروا دیں۔"

"ہیں۔" ثمینہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ان کا خیال تھا" مریم کو کافی سمجھانا پڑے گا۔

"باجی! ابا یہاں ہوتے تو یقین جانیں' وہ جیسا کہتے میں کر لیتی۔ چلی جاتی ان کے ساتھ۔ مگر یہ لوگ' یہ صرف دنیا نبھانے آئے تھے اور بیاہ دیں گے کسی بھی ایسے ویسے کے ساتھ۔ لیکن باجی میں نے یہاں زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور محسوس کیا ہے۔ عورت کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اس کا احساس مجھے آپ کو اور باجی رخسانہ کو دیکھ کر ہوا ہے اب میں بے بسی کی زندگی نہیں جی سکتی۔"

"اچھا اور جو میں نے تمہیں کسی ایسے ویسے کے پلے باندھ دیا تو۔" ثمینہ نے اسے چھیڑا۔

"آپ ایسا کبھی نہیں کریں گی۔ آگے میری قسمت۔" مریم کے لہجے میں یقین تھا۔ اور واقعی ثمینہ کو مریم بہنوں کی طرح عزیز ہو گئی تھی اور اب وہ مریم کو دکھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

.☆..☆.*

ثمینہ نے اس کام میں قدم رکھا تو احساس ہوا کہ یہ سب کتنا مشکل ہے۔ انہوں نے اپنے سارے ملنے جلنے والوں سے کہہ رکھا تھا۔ کئی لوگ آئے بھی۔ مگر پھر کوئی نہ کوئی اعتراض' کہیں نہ کہیں سے نکل ہی آتا۔ شروع میں تو ثمینہ مریم کے سارے حالات بتا دیا کرتی تھیں۔ مگر آنے والے یہ سن کر ہی بدک جاتے کہ اس کے والدین میں طلاق ہو چکی ہے۔ ثمینہ حیرت سے سوچتیں بھلا اس میں مریم کا کیا قصور۔ کسی کو لمبے چوڑے جہیز کی طلب تھی تو کوئی بے تحاشا خوبصورتی کا متلاشی۔ کوئی اس تاک میں رہتا کہ دوبئی میں اس کا باپ کتنا کما رہا ہے۔ مریم خود اس روز روز کی پریڈ سے تنگ آ گئی تھی۔

"میں امی سے کہتی ہوں' شاید ان کی نظر میں کوئی رشتہ ہو۔" ثمینہ نے کہا تو مریم نے بے زاری سے ان کی طرف دیکھا۔

"چھوڑیں باجی! جو قسمت میں لکھا ہو گا ہو جائے گا۔" مریم نے کہا ثمینہ سب کچھ مردوں سے بالا ہی بالا کر رہی تھیں۔

اس دن اتوار تھا۔ رانی بھی نہیں آئی تھی۔ مریم دوپٹہ کانوں کے پیچھے اڑس کر صفائی میں جت گئی۔ ثمینہ کسلمندی سے بستر پر پڑی تھیں جب ان کی کولیگ کسی خاتون کو ساتھ لے کر آ گئیں۔ بدقسمتی سے مریم نے ہی انہیں ریسیو کیا۔ ان کی کولیگ خود مریم کے حلیے پر شرمندہ سی ہو گئیں۔ ثمینہ بیچاری الگ گھبرا گئیں۔ خاتون نے مریم کو سر سے پیر تک گھورا تھا۔

"تم مجھے بتا تو دیتیں۔" ثمینہ نے اپنی کولیگ سے کہا۔

"میں کیا کرتی' یہ صبح ہی صبح پہنچ گئی تھیں۔ ان کے

بیٹے نے مریم کو اسکول سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"اب وہ اپنے بیٹے کی دماغی حالت پر شبہ کر رہی ہوں گی۔" مریم نے جل کر کہا۔

"بکو نہیں۔ چائے کا انتظام کرو اور حلیہ ٹھیک کر کے آؤ۔" ثمینہ نے ڈانٹا۔

"دیکھ لیا ہے انہوں نے مجھے۔" مریم کہہ کر کچن میں آ گئی۔ وہ خاتون چائے پیتے ہی اٹھ گئیں۔

"میری قسمت ہی خراب ہے۔" مریم نے کالی دیگچی سنک میں پٹخی۔ ان خاتون کی آنکھوں میں واضح ناگواری تھی۔ "ظاہر ہے اس مائی والے حلیے میں کون پسند کرے گا۔ اب جا کر بیٹے کے لتے لیں گی۔"

سارا کام ادھورا چھوڑ کر وہ باغ میں نکل آئی۔ وہاں ابھتاج کی جگہ آج طاہر بیٹھا پڑھ رہا تھا' مریم کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔

"آج ساون کی دو تاریخ ہے۔"

"اف یہ لڑکا۔" مریم بھنا کر پلٹی۔ "تمہیں ساون سے کیا لینا ہے۔" اور وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"یہاں آ جاؤ پنکھے کے سامنے' اتنی گرمی میں کیوں بیٹھ گئی ہو۔" طاہر نے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ گرمی بہت زیادہ تھی اور فضا میں حبس بھی تھا۔ کاریڈور میں یہاں سے وہاں تک سوکھے پھول ایک بار پھر بکھر گئے تھے۔ بیلیں الگ مرجھانے لگی تھیں۔

"تم کمرے میں بیٹھ کر پڑھا کرو۔ یہاں تو پنکھے کے باوجود کافی گرمی ہے۔" مریم نے کہا۔

"اس بار ساون زور و شور سے منائیں گے۔" طاہر اس کی بات نظر انداز کر کے بولا۔

"کیوں؟"

"اس گھر میں یہ تمہارا آخری ساون ہو گا نا۔" طاہر شرارت سے بولا۔

"مشکل ہے۔"

"کیوں۔"

"مجھے تو لگتا ہے اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو مجھ سے شادی کر سکے۔" وہ حد درجے مایوس لہجے میں بولی۔

"نہیں ہوگا تو ضرور۔" طاہر نے فوراً اس کی بات کی نفی کی "لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ مریم یہاں رہتی ہے۔"

"اب میں تھک گئی ہوں طاہر! یوں لگتا ہے جیسے میں لڑکی نہیں سیل میں رکھی کوئی چیز ہوں' ہرا ایرا غیرا منہ اٹھائے چلا آتا ہے اور ریجیکٹ کر کے مزے سے چلا جاتا ہے۔" مریم نے دکھی سے لہجے میں کہا۔ طاہر نے ایک لمحے کو رک کر اس کے دکھ کو محسوس کیا اور پھر ہنس دیا۔

"ایک تو فرینڈ! تمہاری شکل ایسی ہے کہ دیکھتے ہی بہن بنا لینے کو دل چاہتا ہے جیسا کہ میں نے بنا لیا۔" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں اس کا موڈ بدلنے کو بولا۔

"بھاڑ میں جاؤ' تم بھی کسی کام کے نہ نکلے۔" مریم جل کر بولی' طاہر ہنستا چلا گیا پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تمہیں شادی کا اتنا شوق کیوں ہے۔"

"شوق نہیں ہے' ضرورت ہے۔" مریم نے کہا اور اٹھ کر پرندوں کے پاس چلی آئی۔

"طاہر! میرا دل چاہتا ہے کہ میں انہیں آزاد کردوں۔" وہ وہیں سے پکار کر بولی۔

"کردینا مگر ابھی نہیں جب ساون کی پہلی بارش ہوگی۔" طاہر نے کہا۔

"دعا کرو کہ بارش جلد ہوجائے۔" وہ قدرے جھک کر پرندوں سے کہنے لگی تب ہی ابہتاج نے اسے پکارا۔

"مریم! میں نے شرٹ دی تھی پریس کرنے۔"

"جی میں نے کردی ہے' دیتی ہوں۔" وہ ان کے پاس سے گزر کر اندر چلی گئی۔

"بھائی۔" طاہر کی آواز پر وہ پلٹے۔

"دیکھ لیں' کہیں دیر نہ ہوجائے۔" اس کا لہجہ بہت معنی خیز تھا۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں بھائی کہ ایسا نہ ہو ساون سارا گزر جائے اور بارش ہو ہی نا۔" طاہر بات بدل گیا۔ ابہتاج نے ایک کھوجتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی پھر پلٹ گئے۔ جبکہ طاہر مایوسی سے سر ہلانے لگا۔

. ☆ .. ☆ .*

"جب صبح میں آئی تھی تو آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا' اب دیکھو کیسے چھاجوں چھاج مینہ برس رہا ہے۔"

آپا جی نے کہا۔ طاہر اور بچے اس برستی بارش میں فٹ بال کھیل رہے تھے۔ بچے کئی بار مریم کو بلا چکے تھے مگر اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا اور پھر سب ہی گھر میں موجود تھے' یہاں تک کہ ابا جی بھی۔

"ساون کی بارش تو ایسی ہی ہوتی ہے! ایک پل میں بادل آئے اور برس گئے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ایسا کوئی بادل میری ذات پر کیوں نہیں برستا۔" اس نے دل گرفتگی سے سوچا۔

"تو پھر کب لاؤں انہیں؟" آپا جی نے مریم کے لیے کوئی رشتہ دیکھا تھا۔ مریم نے ایک نظر ذرا فاصلے پر کرکٹ میچ دیکھتے ابہتاج اور ابا پر ڈالی پھر آہستگی سے بولی۔

"آپا جی! آپ پہلے انہیں میرے بارے میں سب کچھ بتا دیں۔ اگر انہیں اس کے باوجود کوئی فرق نہ پڑتا ہو تب یہاں آئیں ورنہ نہیں۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔ کیسے پٹر پٹر بول رہی ہو۔ بھلا اپنی شادی کے معاملے میں بھی کوئی یوں بولتا ہے۔"

آپا جی بھڑک کر بولیں۔ ان کی تیز آواز پر ابا جی اور ابہتاج ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"میری شادی کوئی عام معاملہ تو نہیں ہے۔" مریم نے جز بز ہو کر اپنے حالات کے پیش نظر کہا تھا' وہ نجانے کیا سمجھیں چمک کر بولیں۔

"ایسا کیا ہے تم میں' حور پری ہو یا صاحب جائیداد جو تمہاری شادی عام معاملہ نہیں ہے۔"

"میرا یہ مطلب....." مریم کا گلا رندھ گیا اپنی بے وقعتی کے احساس سے آنکھوں میں آنسو آگئے وہ بے گھر ہوئی تھی مگر اپنی عزت نفس' انا اور خودداری تو گروی نہیں رکھ آئی تھی۔

"کیا ہوگیا ہے؟" ابا جی نے پوچھا۔ ثمینہ الگ حیران پریشان تھیں۔ آپا جی ٹیپ کی طرح بجنے لگیں۔

"تو کیا ضرورت ہے یوں ہر ایرے غیرے کو بلوانے کی۔ منع کردو سب کو۔" ابا جی نے آرام سے بات ختم کردی۔

"کیسے منع کردوں۔ کیا ساری عمر یہیں بیٹھی رہے گی۔" آپا جی تڑخ کر بولیں۔

"ہاں' مریم کی شادی میں ابہتاج سے کروں گا۔" انہوں نے اتنے آرام و سکون سے کہہ دیا کہ کمرے میں خاموشی سی چھا گئی۔ بس بارش کا شور تھا۔ خود مریم کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں ابا جی آپ۔" ثمینہ نے تحیر سے پوچھا آپا جی تو جیسے گنگ ہوگئی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں اس گھر کو ایسی بہو کی ضرورت ہے جو اس گھر کی آبیاری محبتوں سے کرسکے اور مریم سے بہتر یہ کام کوئی نہیں کرسکتا۔ کیوں میں غلط کہہ رہا ہوں؟ ابا جی نے پوچھا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے ابا جی۔" ثمینہ خوشی سے نہال ہوگئیں۔

"ارے کیا ٹھیک ہے۔ ہمارا سب سے چھوٹا بھائی اور ایسی بے نام و نشان لڑکی اور ابا جی! ہمارے ارمان۔" آپا جی چیخ اٹھی تھیں۔

"تمہارا چھوٹا بھائی طاہر ہے۔ نکال لینا اس کی شادی پر ارمان۔" دوسری طرف سکون ہی سکون تھا۔

"آپ کو ہمیشہ عادت رہی ہے ابا جی اپنا فیصلہ دوسروں پر مسلط کرنے کی۔ آپ نے ابہتاج سے تو پوچھا ہوتا۔" آپا جی نے کہا۔ ابہتاج نے ایک نظر سر جھکائے لب کاٹتی مریم کو دیکھا۔

"اس میں میری مرضی بھی شامل ہے آپا۔"

مریم نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ابہتاج کے ہونٹوں پر خوبصورت و جاندار مسکراہٹ بکھر گئی۔ مریم تیزی سے باہر نکل گئی اور ستون سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"مریم آؤ جامنیں توڑیں۔" طاہر بھاگتا ہوا اس تک آیا۔ "ہیں یہ دو دو ساون کیوں برس رہے ہیں۔ کیا ہوا؟" مریم یونہی روتی رہی۔ طاہر نے کان لگا کر اندر سے اٹھتی آوازوں کو سننے لگا پھر زوردار نعرہ لگایا۔

"بے وقوف لڑکی! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔"

"تو پہلے کیا وہ سوئے ہوئے تھے۔" وہ روتے روتے تڑخ کر بولی۔

"آئی ایم ساری مریم! میں نے واقعی کچھ دیر کردی۔" اپنے پیچھے ابہتاج کی آواز سن کر اس کی ہچکیوں کو بریک لگ گئی۔

"دیر آید درست آید۔" طاہر چہک کر بولا۔

"مگر آپا جی۔" مریم کے لہجے میں تشویش تھی۔

"میں نے یہ فیصلہ اپنی تمام تر شدتوں اور دل کی گہرائیوں سے کیا ہے۔" ابہتاج نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اور آپا جی والا مقدمہ ابا جی بہت آسانی سے جیت لیں گے۔" طاہر نے کہا اور اسے کھینچتا ہوا برستی بارش تلے لے آیا۔ وہ چیختی رہ گئی۔

"لو اب ان کو آزاد کرو' آج ساون رت کی پہلی بارش ہے نا۔"

طاہر نے کہا مریم نے آگے بڑھ کر پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ سارا باغ رنگ برنگے پرندوں سے بھر گیا۔ وہ کہیں گئے نہیں تھے' مختلف درختوں پر بیٹھ کر پر پھڑپھڑانے لگے۔ ابہتاج دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے اس تک آئے۔ طاہر دوبارہ بچوں میں شامل ہوگیا تھا۔

"تم خوش تو ہو مریم؟" انہوں نے سرگوشی کی۔ مریم نے بے اختیار ان کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلا دیں۔

تم ان میں اپنے مقدر کو ڈھونڈ سکتے ہو
تمہارے سامنے میں نے ہتھیلیاں رکھ دیں

ابہتاج نے جھک کر دیکھا۔ بارش کی بوندیں گلابی ہتھیلیوں پر ان کا نام لکھ رہی تھیں۔